ماہنامہ

اشراق

لاہور

ستمبر ۲۰۰۹

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

''نماز اور زکوٰۃ کے بعد تیسرا فرض روزہ ہے۔ یہ روزہ کیا ہے؟ انسان کے نفس پر جب اس کی خواہشیں غلبہ پا لیتی ہیں تو وہ اپنے پروردگار سے غافل اور اس کے حدود سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی غفلت اور بے پروائی کی اصلاح کے لیے ہم پر روزہ فرض کیا ہے۔ یہ عبادت سال میں ایک مرتبہ پورے ایک مہینے تک کی جاتی ہے۔۔''

—— شذرات

المورد

دار الاشراق

ماہنامہ
اشراق
لاہور

جلد ۲۱ شمارہ ۹ ستمبر ۲۰۰۹ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

فی شمارہ ۲۰ روپے
سالانہ ۲۰۰ روپے
زرتعاون بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ
بیرون ملک
۱۰۰۰ روپے
زرتعاون بذریعہ پوسٹل بیرز آرڈر یا ڈرافٹ

فہرست

المورد

51 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700۔ فون: 5834306, 5865145 (042)۔ فیکس 5864856 (042)
Web Site: www.ghamidi.org E-mail: ishraq@ghamidi:org

جاوید احمد غامدی

روزہ

نماز اور زکوٰۃ کے بعد تیسرا فرض روزہ ہے۔ یہ روزہ کیا ہے؟ انسان کے نفس پر جب اس کی خواہشیں غلبہ پا لیتی ہیں تو وہ اپنے پروردگار سے غافل اور اس کے حدود سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی غفلت اور بے پروائی کی اصلاح کے لیے ہم پر روزہ فرض کیا ہے۔ یہ عبادت سال میں ایک مرتبہ پورے ایک مہینے تک کی جاتی ہے۔ رمضان آتا ہے تو صبح سے شام تک ہمارے لیے کھانے پینے اور بیویوں کے ساتھ خلوت کرنے پر پابندی لگ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے یہ عبادت ہم سے پہلی امتوں پر بھی اسی طرح فرض کی تھی جس طرح ہم پر فرض کی ہے۔ ان امتوں کے لیے، البتہ اس کی شرطیں ذرا سخت تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے جس طرح دوسری سب چیزوں کو ہلکا کیا، اسی طرح اس عبادت کو بھی بالکل معتدل بنا دیا ہے۔ تاہم دوسری سب عبادتوں کے مقابلے میں یہ اس لیے ذرا بھاری ہے کہ اس کا مقصد ہی نفس کے منہ زور رجحانات کو لگام دے کر ان کا رخ صحیح سمت میں موڑنا اور اسے حدود کا پابند بنا دینا ہے۔ یہ چیز، ظاہر ہے کہ تربیت میں ذرا سختی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

سحری کے وقت ہم کھا پی رہے ہوتے ہیں کہ یکایک اذان ہوتی ہے اور ہم فوراً ہاتھ روک لیتے ہیں۔ اب خواہشیں کیسا ہی زور لگائیں، دل کیسا ہی مچلے، طبیعت کیسی ہی ضد کرے، ہم ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے جن سے روزے کے دوران میں ہمیں روک دیا گیا ہے۔ یہ ساری رکاوٹ اس وقت تک رہتی ہے، جب تک مغرب کی اذان نہیں ہوتی۔ روزہ ختم کر دینے کے لیے ہمارے رب نے یہی وقت مقرر کیا ہے۔ چنانچہ مغرب کے وقت موذن جیسے ہی بولتا ہے، ہم فوراً افطار کے لیے لپکتے ہیں۔ اب رات بھر ہم پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ رمضان کا پورا مہینا ہم اسی طرح گزارتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ وقتی طور پر اگرچہ کچھ کمزوری اور کام کرنے کی صلاحیت میں

کمی تو محسوس کرتے ہیں، لیکن اس سے صبر اور تقویٰ کی وہ نعمت ہم کو حاصل ہوتی ہے جو اس زمین پر اللہ کا بندہ بن کر رہنے کے لیے ہماری روح کی اسی طرح ضرورت ہے، جس طرح ہوا اور پانی اور غذا ہمارے جسم کی ضرورت ہے۔ اس سے یہ حقیقت کھلتی ہے کہ آدمی صرف روٹی ہی سے نہیں جیتا، بلکہ اس بات سے جیتا ہے جو اس کے رب کی طرف سے آتی ہے۔

یہ روزہ ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہے، لیکن وہ اگر مرض یا سفر یا کسی دوسرے عذر کی بنا پر رمضان میں یہ فرض پورا نہ کر سکے تو جتنے روزے چھوٹ جائیں، ان کے بارے میں اجازت ہے کہ وہ رمضان کے بعد کسی وقت رکھ لیے جائیں۔ روزوں کی تعداد ہر حال میں پوری ہونی چاہیے۔

اس روزے سے ہم بہت کچھ پاتے ہیں۔ سب سے بڑی چیز اس سے یہ حاصل ہوتی ہے کہ ہماری روح خواہشوں کے زور سے نکل کر علم و عقل کی ان بلندیوں کی طرف پرواز کے قابل ہو جاتی ہے، جہاں آدمی دنیا کی مادی چیزوں سے برتر اپنے رب کی بادشاہی میں جیتا ہے۔

اس مقصد کے لیے روزہ ان سب چیزوں پر پابندی لگاتا ہے جن سے خواہشیں بڑھتی ہیں اور لذتوں کی طرف میلان میں اضافہ ہوتا ہے۔ بندہ جب یہ پابندی جھیلتا ہے تو اس کے نتیجے میں زہد و فقیری کی جو حالت اس پر طاری ہو جاتی ہے، اس سے وہ دنیا سے ٹوٹتا اور اپنے رب سے جڑتا ہے۔ روزے کا یہی پہلو ہے جس کی بنا پر اللہ نے فرمایا ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا بھی میں اپنے ہاتھ سے دوں گا، اور فرمایا کہ روزے دار کے منہ کی بو مجھے مشک کی خوش بو سے زیادہ پسند ہے۔

ہر اچھے کام کا اجر سات سو گنا ہو سکتا ہے، لیکن روزہ اس سے بھی آگے ہے۔ اس کی جزا کیا ہو گی؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ جب بدلے کا دن آئے گا تو وہ یہ بھید کھولے گا اور خاص اپنے ہاتھ سے ہر روزے دار کو اس کے عمل کا صلہ دے گا۔ پھر کون اندازہ کر سکتا ہے کہ آسمان و زمین کا مالک جب اپنے ہاتھ سے صلہ دے گا تو اس کا بندہ کس طرح نہال ہو جائے گا۔

دوسری چیز اس سے یہ حاصل ہوتی ہے کہ انسان کے وجود میں فتنے کے دروازے بڑی حد تک بند ہو جاتے ہیں۔ یہ زبان اور شرم گاہ، یہی دونوں وہ جگہیں ہیں جہاں سے شیطان بالعموم انسان پر حملہ کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھے ان دو چیزوں کے بارے میں ضمانت دے گا جو اس کے دونوں گالوں اور دونوں

ٹانگوں کے درمیان ہیں، میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ روزہ ان دونوں پر پہرا بٹھا دیتا ہے اور صرف کھانا پینا ہی نہیں، زبان اور شرم گاہ میں حد سے بڑھنے کے جتنے میلانات ہیں، ان سب کو کمزور کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آدمی کے لیے وہ کام بہت آسان ہو جاتے ہیں جن سے اللہ کی رضا اور جنت مل سکتی اور ان کاموں کے راستے اس کے لیے بڑی حد تک بند ہو جاتے ہیں جن سے اللہ ناراض ہوتا ہے اور جن کی وجہ سے وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہی حقیقت ہے جسے اللہ کے نبی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ روزوں کے مہینے میں شیطان کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں۔

تیسری چیز یہ حاصل ہوتی ہے کہ انسان کا اصلی شرف، یعنی ارادے کی قوت اس کی شخصیت میں نمایاں ہو جاتی ہے اور اس طریقے پر تربیت پا لیتی ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے اپنی طبیعت میں پیدا ہونے والے ہر ہیجان کو اس کے حدود میں رکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ارادے کی یہ قوت اگر کسی شخص میں کمزور ہو تو وہ نہ اپنی خواہشوں کو بے لگام ہونے سے بچا سکتا ہے، نہ اللہ کی شریعت پر قائم رہ سکتا ہے اور نہ طمع، اشتعال، نفرت اور محبت جیسے جذبوں کو اعتدال پر قائم رکھ سکتا ہے۔ یہ سب چیزیں انسان سے صبر چاہتی ہیں اور صبر کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان میں ارادے کی قوت ہو۔ روزہ اس قوت کو بڑھاتا اور اس کی تربیت کرتا ہے۔ پھر یہی قوت انسان کو برائی کے مقابلے میں اچھائی پر قائم رہنے میں مدد دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی نے روزے کو ڈھال کہا اور انسان کو بتایا کہ وہ برائی کی ہر ترغیب کے سامنے یہ ڈھال اس طرح استعمال کرے کہ جہاں کوئی شخص اسے برائی پر ابھارے، وہ اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ میں تو روزے سے ہوں۔

چوتھی چیز یہ حاصل ہوتی ہے کہ انسان میں ایثار کا جذبہ ابھرتا ہے اور اسے دوسروں کے دکھ درد کو سمجھنے اور ان کے لیے کچھ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ روزے میں آدمی کو بھوک اور پیاس کا جو تجربہ ہوتا ہے، وہ اسے غریبوں کے قریب کر دیتا ہے اور ان کی ضرورتوں کا صحیح احساس اس میں پیدا کرتا ہے۔ روزے کا یہ اثر، بے شک کسی پر کم پڑتا ہے اور کسی پر زیادہ، لیکن ہر شخص کی صلاحیت اور اس کی طبیعت کی سلامتی کے لحاظ سے پڑتا ضرور ہے۔ وہ لوگ جو اس اعتبار سے زیادہ حساس ہوتے ہیں، ان کے اندر تو گویا دریا امنڈ پڑتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ آپ یوں تو ہر حال میں بے حد فیاض تھے، مگر رمضان میں تو بس جود و کرم کے بادل بن جاتے اور اس طرح برستے کہ ہر طرف جل تھل ہو جاتا تھا۔

پانچویں چیز یہ حاصل ہوتی ہے کہ رمضان کے مہینے میں روزے دار کو جو خلوت اور خاموشی اور دوسروں سے کسی حد

تک الگ تھلگ ہو جانے کا موقع ملتا ہے، اس میں قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے معنی کو سمجھنے کی طرف بھی طبیعت زیادہ مائل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ کتاب اسی ماہ رمضان میں اتاری اور اسی نعمت کی شکرگزاری کے لیے اس کو روزوں کا مہینا بنا دیا ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جبریل علیہ السلام بھی اسی مہینے میں قرآن سننے اور سنانے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے۔ روزے سے قرآن مجید کی یہی مناسبت ہے جس کی بنا پر امت کے اکابر اس مہینے میں اپنے نبی کی پیروی میں رات کے پچھلے پہر اور عام لوگ آپ ہی کی اجازت سے عشا کے بعد نفلوں میں اللہ کا کلام سنتے اور سناتے رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کی راتوں میں نماز کے لیے کھڑا رہا، اس کا یہ عمل اس کے پچھلے گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے گا۔

چھٹی چیز یہ حاصل ہوتی ہے کہ آدمی اگر چاہے تو اس مہینے میں بہت آسانی کے ساتھ اپنے پورے دل اور پوری جان کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔ اللہ کے بندے اگر یہ چیز آخری درجے میں حاصل کرنا چاہیں تو اس کے لیے اسی رمضان میں اعتکاف کا طریقہ بھی مقرر کیا گیا ہے۔ یہ اگرچہ ہر شخص کے لیے ضروری نہیں ہے، لیکن دل کو اللہ کی طرف لگانے کے لیے یہ بڑی اہم عبادت ہے۔ اعتکاف کے معنی ہمارے دین میں یہ ہیں کہ آدمی دس دن یا اپنی سہولت کے مطابق اس سے کم کچھ دنوں کے لیے سب سے الگ ہو کر اپنے رب سے لو لگا کر مسجد میں بیٹھ جائے اور اس عرصے میں کسی ناگزیر ضرورت ہی کے لیے وہاں سے نکلے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اکثر اس کا اہتمام فرماتے تھے اور خاص طور پر اس ماہ کے آخری دس دنوں میں رات کو خود بھی زیادہ جاگتے، اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے اور پوری مستعدی کے ساتھ اللہ کی عبادت میں لگے رہتے تھے۔

یہ سب چیزیں روزے سے حاصل ہو سکتی ہیں، مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ روزے دار ان خرابیوں سے بچیں جو اگر روزے میں در آئیں تو اس کی ساری برکتیں بالکل ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ خرابیاں اگرچہ بہت سی ہیں، لیکن ان میں بعض ایسی ہیں کہ ہر روزے دار کو ان کے بارے میں ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیے۔

ان میں سے ایک خرابی یہ ہے کہ لوگ رمضان کو لذتوں اور چٹخاروں کا مہینا بنا لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس مہینے میں جو بھی خرچ کیا جائے، اس کا اللہ کے ہاں کوئی حساب نہیں ہے۔ چنانچہ اس طرح کے لوگ اگر کچھ کھاتے پیتے بھی ہوں تو ان کے لیے تو پھر یہ مزے اڑانے اور بہار لوٹنے کا مہینا ہے۔ وہ اس کو نفس کی تربیت کے بجائے اس کی پرورش کا مہینا بنا لیتے ہیں اور ہر روز افطار کی تیاریوں ہی میں صبح کو شام کرتے ہیں۔ وہ جتنا وقت روزے سے ہوتے

ہیں، یہی سوچتے ہیں کہ سارے دن کی بھوک پیاس سے جو خلا ان کے پیٹ میں پیدا ہوا ہے، اسے وہ اب کن کن نعمتوں سے بھریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اول تو روزے سے وہ کچھ پاتے ہی نہیں اور اگر کچھ پاتے ہیں تو اسے وہیں کھو دیتے ہیں۔

اس خرابی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اندر کام کی قوت کو باقی رکھنے کے لیے کھائے پیے تو ضرور، لیکن اس کو جینے کا مقصد نہ بنا لے۔ جو کچھ بغیر کسی اہتمام کے مل جائے، اس کو اللہ کا شکر کرتے ہوئے کھا لے۔ گھر والے جو کچھ دستر خوان پر رکھ دیں، وہ اگر دل کو نہ بھی بھائے تو اس پر خفا نہ ہو۔ اللہ نے اگر مال و دولت سے نوازا ہے تو اپنے نفس کو پالنے کے بجائے، اسے غریبوں اور فقیروں کی مدد اور ان کے کھلانے پلانے پر خرچ کرے۔ یہ چیز یقیناً اس کے روزے کی برکتوں کو بڑھائے گی۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی نے رمضان میں اس عمل کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ بھوک اور پیاس کی حالت میں چونکہ طبیعت میں کچھ تیزی پیدا ہو جاتی ہے، اس وجہ سے بعض لوگ روزے کو اس کی اصلاح کا ذریعہ بنانے کے بجائے، اسے بھڑکانے کا بہانہ بنا لیتے ہیں۔ وہ اپنے بیوی بچوں اور اپنے نیچے کام کرنے والوں پر ذرا ذرا سی بات پر برس پڑتے، جو منہ میں آیا، کہہ گزرتے، بلکہ بات بڑھ جائے تو گالیوں کا جھاڑ باندھ دیتے ہیں اور بعض حالتوں میں اپنے زیردستوں کو مارنے پیٹنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اس کے بعد وہ اپنے آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیتے ہیں کہ روزے میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔

اس کا علاج اللہ کے نبی نے یہ بتایا ہے کہ آدمی اس طرح کے سب موقعوں پر روزے کو اس اشتعال کا بہانہ بنانے کے بجائے اس کے مقابلے میں ایک ڈھال کی طرح استعمال کرے، اور جہاں اشتعال کا کوئی موقع پیدا ہو، فوراً یاد کرے کہ میں روزے سے ہوں۔ وہ اگر غصے اور اشتعال کے ہر موقع پر یاد دہانی کا یہ طریقہ اختیار کرے گا تو آہستہ آہستہ دیکھے گا کہ بڑی سے بڑی ناگوار باتیں بھی اب اسے گوارا ہیں۔ وہ محسوس کرے گا کہ اس نے اپنے نفس کے شیطان پر اتنا قابو پا لیا ہے کہ وہ اب اسے گرا لینے میں کم ہی کامیاب ہوتا ہے۔ شیطان کے مقابلے میں فتح کا یہ احساس اس کے دل میں اطمینان اور برتری کا احساس پیدا کرتا ہے اور روزے کی یہی یاددہانی اس کی اصلاح کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ پھر وہ وہیں غصہ کرتا ہے، جہاں اس کا موقع ہوتا ہے۔ وقت بے وقت اسے مشتعل کر دینا کسی کے لیے ممکن نہیں رہتا۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ بہت سے لوگ جب روزے میں کھانے پینے اور اس طرح کی دوسری دل چسپیوں کو چھوڑتے ہیں تو اپنی اس محرومی کا مداوا ان دل چسپیوں میں ڈھونڈنے لگتے ہیں جن سے ان کے خیال میں روزے کو کچھ نہیں ہوتا، بلکہ وہ بہل جاتا ہے۔ وہ روزہ رکھ کر تاش کھیلیں گے، ناول اور افسانے پڑھیں گے، نغمے اور غزلیں سنیں گے، فلمیں دیکھیں گے، دوستوں میں بیٹھ کر گپیں ہانکیں گے اور اگر یہ سب نہ کریں گے تو کسی کی غیبت اور ہجو ہی میں لپٹ جائیں گے۔ روزے میں پیٹ خالی ہو تو آدمی کو اپنے بھائیوں کا گوشت کھانے میں ویسے بھی بڑی لذت ملتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بعض اوقات صبح اس مشغلے میں پڑتے ہیں اور پھر موذن کی اذان کے ساتھ ہی اس سے ہاتھ کھینچتے ہیں۔

اس خرابی کا ایک علاج تو یہ ہے کہ آدمی خاموشی کو روزے کا ادب سمجھے اور زیادہ سے زیادہ یہی کوشش کرے کہ اس کی زبان پر کم سے کم اس مہینے میں تو تالا لگا رہے۔ اللہ کے نبی نے فرمایا کہ آدمی اگر ہر قسم کی جھوٹی سچی باتیں زبان سے نکالتا ہے تو اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

اس کا دوسرا علاج یہ ہے کہ جو وقت ضروری کاموں سے بچے، اس میں آدمی قرآن وحدیث کا مطالعہ کرے اور دین کو سمجھے۔ وہ روزے کی اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر اس میں قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دعاؤں کا کچھ حصہ یاد کر لے۔ اس طرح وہ اس وقت ان مشغلوں سے بچے گا اور بعد میں یہی ذخیرہ اللہ کی یاد کو اس کے دل میں قائم رکھنے کے لیے اس کے کام آئے گا۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ آدمی بعض اوقات روزہ اللہ کے لیے نہیں، بلکہ اپنے گھر والوں اور ملنے جلنے والوں کی ملامت سے بچنے کے لیے رکھتا ہے اور کبھی لوگوں میں اپنی دین داری کا بھرم قائم رکھنے کے لیے یہ مشقت جھیلتا ہے۔ یہ چیز بھی روزے کو روزہ نہیں رہنے دیتی۔

اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی روزے کی اہمیت ہمیشہ اپنے نفس کے سامنے واضح کرتا رہے اور اسے تلقین کرے کہ جب کھانا پینا اور دوسری لذتیں چھوڑ ہی رہے ہو تو پھر انھیں اللہ کے لیے کیوں نہیں چھوڑتے۔ اس کے ساتھ رمضان کے علاوہ کبھی کبھی نفلی روزے بھی رکھے اور انھیں زیادہ سے زیادہ چھپانے کی کوشش کرے۔ اس سے امید ہے کہ اس کے یہ فرض روزے بھی کسی وقت اللہ ہی کے لیے خالص ہو جائیں گے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المائدہ

(۱۶)

(گذشتہ سے پیوستہ)

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ، بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ، وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ، وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۶۷﴾

(اِن[۱۶۰] کی پروا نہ کرو) اے پیغمبر، (اور) جو کچھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، وہ (اِنھیں) پہنچا دو اور (یاد رکھو کہ) اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اُس کا پیغام نہیں پہنچایا۔[۱۶۱] اللہ اِن لوگوں سے تمھاری حفاظت کرے گا۔[۱۶۲] (تم مطمئن رہو)، اللہ (تمھارے مقابلے میں تمھارے) اِن منکروں کو ہرگز کامیابی کا راستہ نہ دکھائے گا۔[۱۶۳] ۶۷

۱۶۰؎ یہ اُس پیغام کی تمہید ہے جو آگے نقل ہوا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''... یہ پیغام آگے آیت ۶۸ سے لے کر آیت ۸۶ تک پھیلا ہوا ہے اور اِس میں نہایت واضح طور پر اِن دونوں گروہوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ جب تک تم تورات و انجیل اور اللہ کی اِس آخری کتاب، قرآن کو قائم نہ کرو، تمھاری کوئی دینی حیثیت نہیں ہے۔ خدا کے ساتھ کسی کو کوئی نسبت کسی گروہ سے نسبت کی بنا پر حاصل نہیں ہوتی، بلکہ ایمان اور عمل صالح کی بنا پر حاصل ہوتی ہے اور اِس سے تم بالکل محروم ہو چکے ہو... یہ پیغام بڑا اہم تھا۔ یہود و نصاریٰ دونوں کی دینی حیثیت پر یہ آخری ضرب لگائی جا رہی تھی اور عین اُس وقت لگائی جا رہی تھی، جب کہ وہ پورا زور اِس بات

قُلۡ: یٰۤاَھۡلَ الۡکِتٰبِ لَسۡتُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ حَتّٰی تُقِیۡمُوا التَّوۡرٰۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ، وَلَیَزِیۡدَنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡھُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ طُغۡیَانًا

(اِن[۱۶۴] سے) صاف کہہ دو: اے اہل کتاب، تمھاری کوئی بنیاد نہیں ہے، جب تک تم تورات وانجیل پراور اُس چیز پر قائم نہ ہو جاؤ جو تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر اتاری گئی ہے۔[۱۶۵] لیکن ہو گا یہی کہ

کے لیے لگا رہے تھے کہ مسلمان اُن کی دینی حیثیت تسلیم کر لیں، اِس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر 'رسول' کے لفظ سے خطاب کر کے یہ پیغام آپ کے حوالے کیا گیا جس میں اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول خدا کا پیغامبر ہوتا ہے، اِس وجہ سے یہ اُس کا فرض منصبی ہے کہ خدا کی طرف سے جو کچھ اُس پر اتارا جائے، وہ بے کم و کاست اُس کے مخاطبوں تک پہنچا دے، قطع نظر اِس سے کہ اِس پیغام سے اُن کے اندر کیا ہلچل برپا ہوتی ہے اور وہ پیغام اور پیغامبر کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔'' (تدبرقرآن ۲/ ۵۶۲)

۱۶۱؎ یہ اُس بات کی تاکید مزید ہے جو پچھلے جملے میں بیان ہوئی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اللہ نے اپنا پیغام پہنچانے کے لیے تمھیں رسول مقرر کیا ہے، اِس لیے اِن کے کسی ردعمل کے اندیشے سے اِس میں کوتاہی ہوئی تو یہ عین اُس فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی ہو گی جس کے لیے یہ منصب تمھیں دیا گیا ہے۔ اِس میں خطاب بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، مگر روے سخن، اگر غور کیجیے تو اُنھی یہود و نصاریٰ کی طرف ہے جن کے لیے یہ پیغام آپ کے سپرد کیا جا رہا ہے تاکہ اِس کی اہمیت ہر لحاظ سے اُن پر واضح ہو جائے۔

۱۶۲؎ یہ اُس حفاظت کا بیان ہے جو سنت الٰہی کے مطابق اللہ کے رسولوں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے لازماً حاصل ہوتی ہے۔

۱۶۳؎ اصل میں 'اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ' کے الفاظ آئے ہیں۔ 'ھدی یھدی' کا لفظ کسی کو اُس کی تدبیروں میں بامراد کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یہاں یہ اِسی مفہوم میں ہے۔ مدعا یہ ہے کہ تم خدا کے رسول ہو، اِس لیے اِن شیاطین کے ہر شر سے وہ تمھاری حفاظت کرے گا اور اِن کی کسی تدبیر کو تمھارے خلاف بامراد نہ ہونے دے گا۔

۱۶۴؎ یہاں سے وہ پیغام شروع ہو رہا ہے جو اتمام حجت کے اِس آخری مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے کم و کاست اور پوری قطعیت کے ساتھ یہود و نصاریٰ تک پہنچا دینے کی ہدایت فرمائی ہے۔

وَّ كُفْرًا، فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا
وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ

اِن میں سے بہتوں کی سرکشی اور اِن کے کفر کو وہ چیز بڑھا دے گی جو تم پر تمھارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔[166] اِس لیے اِن منکروں پر افسوس نہ کرو۔ (حقیقت یہ ہے کہ خدا کی نجات پر کسی کا اجارہ نہیں ہے، لہٰذا) جو مسلمان ہیں اور جو (اِن سے پہلے) یہودی ہوئے اور جو صابی اور نصاریٰ[167] کہلاتے ہیں، اِن میں سے جو لوگ بھی اللہ پر ایمان لائے ہیں اور قیامت کے دن پر ایمان لائے ہیں

۱۶۵؎ اِس سے قرآن مجید مراد ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اُس وقت تک تمھاری کوئی بنیاد نہیں ہے، جب تک تم تورات و انجیل کے ساتھ خدا کی اُس کتاب کو بھی اپنا دستور حیات نہیں بناتے جو خدا نے اپنے پیغمبر کی وساطت سے تم پر نازل کر دی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...قرآن مجید کے سوا کوئی اور چیز مراد لینے کی یہاں گنجایش نہیں ہے۔ آگے فوراً ہی اِس چیز کو 'مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ' کے الفاظ سے تعبیر کر کے بالکل واضح بھی کر دیا ہے کہ اِس سے مراد قرآن ہی ہے۔ یہاں قرآن کی تعبیر 'وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ' کے الفاظ سے کرنے میں اہل کتاب پر اتمام حجت کا ایک پہلو ہے۔ وہ یہ کہ تورات اور انجیل، دونوں میں اہل کتاب سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لیا تھا کہ تمھارے پاس اِن اِن صفات کا پیغمبر خدا کا آخری اور کامل صحیفہ لے کر آئے گا تو تم اُس پر ایمان لانا، اُس کی پیروی کرنا، اُس کی مدد کرنا اور اُس کی گواہی دینا۔ اِسی پہلو کی طرف یہاں اشارہ ہے اور اِس موقع پر جب کہ قرآن اُن تمام صفات کے مطابق، جو سابق صحیفوں میں اُس کی بیان ہوئیں، نازل ہو چکا تو تورات اور انجیل کا قائم کرنا یہی ہے کہ خدا کی اتاری ہوئی اِس چیز کو اہل کتاب قائم کریں۔ اِس کا قائم ہونا ہی تورات اور انجیل، سب کا قائم ہونا ہے۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۵۶۴)

۱۶۶؎ مطلب یہ ہے کہ اِنھیں اِس بات پر غصہ تو پہلے سے تھا کہ خدا کے آخری رسول کی بعثت بنی اسمٰعیل میں ہو گی، لیکن یہ چیز واقعہ بن گئی ہے تو اِن کے حسد کی آگ کو اِس نے اور بھڑکا دیا ہے۔ چنانچہ اعتراف حق کی سعادت حاصل کرنے کے بجائے اب یہ سرکشی اور کفر میں بھی اور بڑھیں گے، دراں حالیکہ یہ اگر قرآن پر قائم ہو جاتے تو صرف قرآن پر قائم نہ ہوتے، اِس کے ساتھ تورات و انجیل پر بھی قائم ہو جاتے، اِس لیے کہ وہ اِن کی پیشین گوئیوں کا مصداق بن کر اُسی ہدایت کی طرف بلا رہا ہے جو اِن کتابوں میں بیان ہوئی ہے۔

عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۹﴾

لَقَدۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهِمۡ رُسُلًا، کُلَّمَا جَآءَهُمۡ
رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰۤی اَنۡفُسُهُمۡ فَرِیۡقًا کَذَّبُوۡا وَفَرِیۡقًا یَّقۡتُلُوۡنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوۡۤا

اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں، اُن کے لیے نہ (خدا کے حضور میں) کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ وہ کبھی غم زدہ ہوں گے۔[۱۶۸] ۶۸-۶۹

یہ حقیقت ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے (شریعت کی پابندی کا) عہد لیا اور (اُس کی یاد دہانی کے لیے) بہت سے پیغمبر اُن کی طرف بھیجے، (مگر ہوا یہ کہ) جب کبھی کوئی پیغمبر اُن کی خواہشات نفس کے خلاف کچھ لے کر اُن کے پاس آیا تو کسی کو جھٹلاتے اور کسی کو قتل کرتے رہے[۱۶۹] اور یہی سمجھا کہ اِس پر کوئی

۱۶۷؎ اصل الفاظ ہیں: 'الصّٰبِئُوۡنَ وَالنَّصٰرٰی'۔ اِن میں 'الصّٰبِئُوۡنَ' محل پر معطوف ہے، اِس لیے حالت رفع میں ہے۔

۱۶۸؎ یہ بشارت اِس شرط کے ساتھ ہے کہ اِن میں سے کسی نے کوئی ایسا جرم نہ کیا ہو جو ایمان و عمل کو اکارت کر دے سکتا ہے۔ مثلاً، کسی بے گناہ کو قتل کرنا یا جانتے بوجھتے خدا کے کسی سچے پیغمبر کو ماننے سے انکار کر دینا۔ قرآن نے یہ بات یہاں بھی اُسی سیاق و سباق میں کہی ہے جس میں یہ سورۂ بقرہ میں آئی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی شخص کو فلاح محض اِس بنیاد پر حاصل نہ ہوگی کہ وہ یہود و نصاریٰ میں سے ہے یا مسلمانوں کے کسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے یا صابی ہے، بلکہ اِس بنیاد پر حاصل ہوگی کہ وہ اللہ کو اور قیامت کے دن کو فی الواقع مانتا ہے اور اُس نے نیک عمل کیے ہیں۔ ہر مذہب کے لوگوں کو اِسی کسوٹی پر پرکھا جائے گا، اِس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہ ہوگا۔ یہود کا یہ زعم محض زعم باطل ہے کہ وہ یہودی ہونے ہی کو نجات کی سند سمجھ رہے ہیں۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ ہوں یا مسلمان یا کسی اور مذہب و ملت کے پیرو، اِن میں سے کوئی بھی محض پیغمبروں کو ماننے والے کسی گروہ میں شامل ہو جانے سے جنت کا مستحق نہیں ہو جاتا، بلکہ اللہ اور آخرت پر حقیقی ایمان اور عمل صالح ہی اُس کے لیے نجات کا باعث بنتا ہے۔

۱۶۹؎ اصل الفاظ ہیں: 'وَفَرِیۡقًا یَّقۡتُلُوۡنَ'۔ اِن کے معطوف علیہ سے واضح ہے کہ 'یَّقۡتُلُوۡنَ' سے پہلے ایک فعل ناقص عربی قاعدے کے مطابق حذف ہو گیا ہے۔

اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا، ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ، ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ، وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

پکڑ نہ ہوگی۔[۱۷۰] چنانچہ اندھے اور بہرے بن گئے۔ پھر اللہ نے عنایت فرمائی اور اُن کی توبہ قبول کر لی۔ اِس کے بعد بھی اُن میں سے اکثر اندھے اور بہرے ہی بنتے چلے گئے۔[۱۷۱] (اب بھی یہی صورت ہے) اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں، اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔[۱۷۲] ۷۰-۷۱

۱۷۰؎ اصل میں لفظ 'فِتْنَةٌ' آیا ہے۔ اِس کے معنی آزمایش اور ابتلا کے ہیں۔ ہم نے اِس کے معنی پکڑ کے لیے ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ آزمایش پکڑ کی صورت میں بھی ہوتی ہے اور یہاں اِسی کا موقع ہے۔

۱۷۱؎ یعنی پہلی مرتبہ اندھے اور بہرے بن جانے کے بعد جب اللہ نے پکڑا تو توبہ و اصلاح کر لی، مگر دوسری مرتبہ اِس کی توفیق بھی نہیں ہوئی۔ اِس میں غالباً بنی اسرائیل کی تاریخ کی اُن دو بڑی تباہیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن میں یہ شاہ اسور اور شاہ بابل نبوخذنضر کے ہاتھوں مبتلا ہوئے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہ واقعات تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

۱۷۲؎ یعنی دیکھ رہا ہے تو یقیناً سزا بھی دے گا۔ اُس کی گرفت سے یہ کسی طرح بچ نہ سکیں گے۔

[باقی]

محمد رفیع مفتی

فضائل رمضان

دین میں روزہ ایک اہم عبادت ہے۔ یہ عبادت ایک ماہ کے لیے کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات کو کچھ خاص حدود و قیود میں لانا ہے۔

ذیل میں ہم ان احادیث کا مطالعہ کریں گے جو ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ اللہ کے نزدیک اس عبادت کی کیا اہمیت و فضیلت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من صام رمضان ایمانًا و احتسابًا، غفرله ما تقدم من ذنبه. (بخاری، رقم ۳۸)

''جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے، اُس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لخلوف فم الصائم اطیب عند اللّٰه من ریح المسك. (بخاری، رقم ۱۸۹۴)

''روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان فی الجنة بابًا، یقال له الریّان، یدخل منه الصائمون یوم القیٰمة، لا یدخل معهم احد غیرهم، یقال: این الصائمون؟ فیدخلون منه، فاذا دخل آخرهم اغلق فلم یدخل

''جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ریّان کہا جاتا ہے۔ روزہ دار قیامت کے دن اُس سے جنت میں داخل ہوں گے، اُن کے ساتھ کوئی دوسرا داخل نہ ہو سکے گا۔ پوچھا جائے گا: روزہ دار کہاں ہیں؟ پھر وہ اُس سے

منه احد. (مسلم، رقم۲۷۱۰)

داخل ہوں گے اور جب اُن میں سے آخری شخص بھی داخل ہو جائے گا تو اُسے بند کر دیا جائے گا۔ اِس کے بعد کوئی اُس دروازے سے داخل نہ ہوگا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

قال اللّٰه كل عمل ابن آدم له إلا الصيام فإنه لی وأنا أجزی به والصيام جنة وإذا كان يوم صوم أحدكم فلا يرفث ولا يصخب فإن سابه أحد أو قاتله فليقل إنی امرؤ صائم والذی نفس محمد بيده لخلوف فم الصائم أطيب عند اللّٰه من ريح المسك للصائم فرحتان يفرحهما إذا أفطر فرح وإذا لقی ربه فرح بصومه. (بخاری، رقم۱۹۰۴)

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: انسان کا ہر نیک عمل اسی کے لیے ہوتا ہے سوائے روزے کے، یہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، روزہ گناہوں کے آگے ایک ڈھال ہے۔ اگر کسی نے روزہ رکھا ہو تو اسے نہ فحش گوئی کرنی چاہیے، نہ شور مچانا چاہیے اور اگر کوئی دوسرا اسے گالی دے یا اس سے لڑنا چاہے تو اسے بس یہی کہنا چاہیے کہ میں روزے سے ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے، روزہ رکھنے والے کے لیے خوشی کے دو وقت ہیں: ایک جب وہ روزہ کھولتا ہے، دوسرا جب وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرے گا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة عشر أمثالها إلی سبعمائة ضعف قال اللّٰه عز وجل إلا الصوم فإنه لی وأنا أجزی به يدع شهوته وطعامه من أجلی للصائم فرحتان فرحة عند فطره وفرحة عند لقاء ربه. (مسلم، رقم۱۱۵۱)

''ابن آدم جو نیکی بھی کرتا ہے، اُس کی جزا اُسے دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک دی جاتی ہے، لیکن روزے کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ 'فانه لی وأنا أجزی به' (یہ میرے لیے ہے اور میں ہی اِس کی جزا دوں گا)، اِس لیے کہ بندہ اپنے کھانے پینے اور اپنی جنسی خواہشات کو اِس میں صرف میرے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ رکھنے والے کے لیے خوشی

کے دو وقت ہیں: ایک جب وہ روزہ کھولتا ہے، دوسرا جب وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرے گا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ما من عبد يصوم يومًا فى سبيل اللّٰه الا باعد اللّٰه بذلك اليوم و جهه عن النار سبعين خريفًا. (مسلم، رقم ۱۱۵۳)

''جو شخص اللہ کی راہ (جہاد) میں ایک دن کا روزہ رکھتا ہے تو اللہ اُس ایک دن کے روزے کی وجہ سے اُس شخص کے چہرے کو جہنم کی آگ سے ستر سال دور کر دیتا ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا جاء رمضان فتحت ابواب الجنة وغلقت ابواب النار وصفدت الشياطين. (مسلم، رقم ۱۰۷۹)

''جب رمضان کا مہینا آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔''

ایک صحابی آپ کے پاس آئے اور یہ عرض کی کہ آپ مجھے کسی عمل کا حکم دیں جسے میں آپ کے کہنے پر اختیار کروں، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

عليك بالصوم فانه لا مثل له. (نسائی، رقم ۲۲۲۲)

''تمھیں چاہیے کہ تم روزے رکھا کرو، کیونکہ کوئی دوسرا عمل اس کی مثل نہیں ہے۔''

امین احسن اصلاحی

روزہ اور آفاتِ روزہ

شہوات اور خواہشات نفس کے غلبہ سے انسان کے اندر خدا سے جو غفلت اور اس کے حدود سے جو بے پروائی پیدا ہوتی ہے، اس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزے کی عبادت مقرر کی ہے۔ اس عبادت کا نشان تمام قدیم مذاہب میں بھی ملتا ہے، بالخصوص تزکیۂ نفس کے جتنے طریقے بھی غلط یا صحیح، دنیا میں اب تک اختیار کیے گئے ہیں، ان سب میں اس عبادت کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ مذاہب کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ پچھلے ادیان میں اس عبادت کے آداب و شرائط، اسلام کی نسبت سے زیادہ سخت تھے۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس وجہ سے اس نے ان پابندیوں کو نسبتاً نرم کر دیا ہے جو انسان کی عام طاقت کے تحمل سے زیادہ تھیں، جن کو صرف خاص لوگ ہی برداشت کر سکتے تھے۔

یہ عبادت نفس پر شاق ہونے کے اعتبار سے تمام عبادات میں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس انسانی کی تربیت و اصلاح میں اس کا عمل بڑا مشکل ہے۔ یہ انسان کی نہایت سرکش اور منہ زور رجحانات پر کمند ڈالتی اور ان کو رام کرتی ہے، اس وجہ سے یہ عین اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ اس کے مزاج میں سختی اور درشتی ہو۔

نفسِ انسانی کے جو پہلو سب سے زیادہ زور دار ہیں، ان میں شہوات، خواہشات اور جذبات سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ ان کی فطرت میں اشتعال، ہیجان اور جوش ہے۔ اس وجہ سے ارادہ کو ان پر قابو پانے کے لیے بڑی ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ یہ ریاضت اتنی سخت اور ہمت شکن ہے کہ قدیم مذہب کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تزکیۂ نفس کے بہت سے طالبین سرے سے اس چیز ہی سے مایوس ہو گئے کہ ان کو قابو میں لایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ان کو قابو میں لانے اور ان کی تربیت کرنے کے بجائے ان کے یک قلم ختم کر دینے کی تدبیر سوچیں اور

اختیار کریں۔ لیکن اسلام ایک دینِ فطرت ہے اور یہ چیزیں بھی انسانی فطرت کے لازمی اجزا میں سے ہیں، جن کے بغیر انسان کے شخصی اور نوعی تقاضوں کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اس وجہ سے اس نے ان کو ختم کر دینے کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ ان کو قابو میں کر کے ان کو صحیح راہ پر لگانے کا حکم دیا ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کو قابو میں کرنا، ان کو ختم کر دینے کے مقابل میں کہیں زیادہ مشکل کام ہے۔ ایک منہ زور گھوڑے کو ختم کر دینا ہو تو اس کے لیے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔ بندوق ایک گولی اس کو ٹھنڈا کر دینے کے لیے کافی ہے۔ لیکن اگر اس کو رام کر کے سواری کے کام میں لانا ہے تو یہ مقصد ایک ماہر شہ سوار بڑی ریاضتوں، بڑی مشقوں اور بہت سے خطرات کا مقابلہ کرنے کے بعد ہی حاصل کر سکتا ہے۔

روزے کی عبادت اسلام نے اس لیے مقرر فرمائی ہے کہ ایک طرف نفسِ انسانی کے یہ سرکش رجحانات ضعیف ہو کر اعتدال پر آئیں اور دوسری طرف انسان کی قوتِ ارادی کو دبانے اور ان کو حدودِ الٰہی کا پابند بنانے کے لیے طاقتور ہو جائے۔ اپنے اس دو طرفہ عمل کے سبب سے تزکیۂ نفس کے نقطۂ نظر سے جیسا کہ ہم نے عرض کیا، اس عبادت کی بڑی اہمیت ہے اور اس کی برکات کی بھی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ پہلے اس کی چند برکات کا ذکر کریں گے، اس کے بعد اس کی آفات بیان کریں گے۔

روزے کی برکات

روحِ ملکوتی کی آزادی

روزے کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ اس سے انسان کی روحِ ملکوتی کو نفسانی خواہشات کے دباؤ سے بہت بڑی حد تک آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ ہماری روحِ ملکوتی کا حقیقی میلان ملاے اعلیٰ کی طرف ہے۔ وہ فطری طور پر خدا کے تقرب، ملائکہ سے تشبہ اور سفلیات سے تجرد کی طالب ہے اور مادی زندگی کے تقاضوں میں گرفتار رہنے کے بجاے اعلیٰ عقلی و اخلاقی مقاصد کے لیے پرواز کرنا چاہتی ہے، روح کے ان تقاضوں اور نفس کے ان مطالبات میں جو خواہشات و شہوات سے پیدا ہوتے ہیں، ایک کھلا ہوا تضاد ہے۔ ان دونوں میں اکثر تصادم رہتا ہے اور اس تصادم میں جیت خواہشات و شہوات ہی کو ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روحِ ملکوتی کے مطالبے پورے کرنے سے انسان کو کوئی فوری لذت حاصل نہیں ہوتی بلکہ الٹے اس کے لیے انسان کو اپنی بہت سی فوری لذتوں اور راحتوں کی قربانی دینی پڑتی ہے۔

یہ صورتِ حال ظاہر ہے کہ روح کے فطری میلانات کے بالکل خلاف ہے۔ اگر یہی حالت عرصہ تک باقی رہ جائے اور روح کو اپنی پسند کے میدانوں میں جولانی کا کوئی موقع نہ ملے تو پھر نہ صرف یہ کہ اس کی قوتِ پرواز ختم ہو جاتی ہے بلکہ آہستہ آہستہ وہ خود بھی ختم ہو جاتی ہے۔

روزہ اس صورتِ حال میں وقتاً فوقتاً تبدیلی کرتا رہتا ہے۔ یہ ان چیزوں پر بہت سی پابندیاں عائد کر دیتا ہے جو شہوات وخواہشات کو تقویت پہنچانے والی ہیں۔ اس سے آدمی کا کھانا پینا اور سونا سب کم ہو جاتا ہے۔ دوسری لذتوں اور دلچسپیوں پر بھی بعض پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔ ان چیزوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ نفس کے شہوانی میلانات کی جولانیاں بہت کم ہو جاتی ہیں اور روحِ ملکوتی کو اپنی پسند کے میدانوں میں جولانی کا موقع مل جاتا ہے۔

روزے کی یہی خصوصیت ہے کہ جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ساتھ ایک خاص نسبت دی ہے اور روزہ دار کو خاص اپنے ہاتھ سے اس کے روزے کی جزا دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ یوں تو اسلام نے جتنی عبادتیں بھی مقرر فرمائی ہیں سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں لیکن روزے میں دنیا اور لذاتِ دنیا کو ترک کر کے بندہ خدا سے قرب اور اس کے ملائکہ سے مناسبت اور تشبہ حاصل کرنے کوشش کرتا ہے اور اس کوشش میں جو مشقت اٹھاتا ہے وہ روزے کے سوا کسی دوسری عبادت میں اس قدر نمایاں نہیں ہے۔ فقر، درویشی، زہد، تجرد، ترکِ دنیا اور تبتل الی اللہ کی جو شان اس عبادت میں ہے وہ اسی کا خاص حصہ ہے۔ بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہیں ہے کہ رہبانیت جس حد تک اسلام میں جائز رکھی گئی ہے اور جس درجہ تک اللہ تعالیٰ نے تربیت نفس کے لیے اس کو پسند فرمایا ہے، اسلام میں یہی عبادت اس کا مظہر ہے۔ اگر ایک بندہ روزے کی ساری مشقتیں اور پابندیاں فی الحقیقت اسی لیے جھیلتا ہے کہ اس کی روح اس عالمِ ناسوت کی دلدل سے آزاد ہو کر عالمِ لاہوت کی طرف پرواز کر سکے اور اسے خدا کا قرب حاصل ہو سکے تو بلاشبہ اس کی یہ کوشش اس چیز کی مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ساتھ خاص نسبت دے اور اس کی جزا خاص اپنے ہاتھوں سے دے۔ ایک حدیث کا ترجمہ ملاحظہ ہو جس میں یہ حقیقت بیان ہوئی ہے:

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابنِ آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے مگر روزہ، یہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ روزہ ایک سپر ہے۔ جب کسی کا روزہ ہو تو اس چاہیے کہ نہ شہوت کی کوئی بات کرے اور نہ شور وشغب کرے۔ اگر کوئی شخص اس سے گالم گلوچ کرے یا لڑے جھگڑے تو وہ اس سے کہے کہ بھائی میں روزے سے ہوں۔ اس خدا کی قسم جس کی مٹھی میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوش بو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک اس کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ روزہ کھولتا ہے اور دوسری اس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنے رب سے ملے گا۔''

ایک دوسری روایت میں اسی سلسلہ کی کچھ اور باتیں ہیں جن سے حدیث کی اصل حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس وجہ سے ہم اس روایت کا ترجمہ بھی یہاں دیے دیتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بندہ اپنا کھانا اور پینا اور اپنی شہوت میرے لیے چھوڑتا ہے۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ نیکیوں کا بدلہ دس گنا سے (مسلم کے الفاظ ہیں کہ) نیکیاں دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بڑھائی جائیں گی مگر روزے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ بندہ اپنا کھانا پینا اور اپنی خواہش میرے لیے قربان کرتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی اس کو افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے، دوسری خوشی اس کو اپنے رب کی ملاقات کے وقت حاصل ہوگی اور اس کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوش بو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''

ان دونوں روایتوں کو ملا کر غور کرنے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کو اپنی طرف خاص نسبت کیوں دی ہے؟ اور یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خاص اپنے ہاتھ سے اس کا بدلہ دینے کا مطلب کیا ہے؟

اس کو اپنے لیے خاص قرار دینے کی وجہ تو یہ ہے کہ بندہ محض اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنی ان خواہشوں اور اپنے نفس کے ان مطالبات کو ترک کرتا ہے جن کا اس کے نفس پر سب سے زیادہ غلبہ ہوتا ہے اور جن کے اندر اس کی تمام مادی خوشیاں اور تمام مادی لذتیں سمٹی ہوئی ہیں۔ ان لذتوں سے محض اللہ کی رضا کے لیے منہ موڑ لینا اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند ہے کہ اس نے محبوبیت کا ایک خاص درجہ دیا اور فرمایا کہ بندہ روزہ خاص میرے لیے رکھتا ہے اور میری خوشی کے لیے اپنا کھانا پینا اور اپنی لذتوں کو چھوڑتا ہے۔

خاص اپنے ہاتھ سے بدلہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے بدلہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بندھے ہوئے قاعدے ہیں۔ حالات و خصوصیات کے لحاظ سے ہر نیکی کا دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بدلہ ملے گا۔ مثلاً فرض کیجیے، ایک نیکی سازگار حالات کے اندر کی گئی ہے اور دوسری نیکی مشکل حالات کے اندر کی گئی ہے یا ایک نیکی پوری احتیاط اور پوری نگہداشت کے ساتھ کی گئی ہے اور دوسری نسبتہً کم اہتمام اور کم نگہداشت کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس طرح کے فرق و اختلاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر شخص کی نیکی کا جو اجر ہونا چاہیے وہ مذکورہ بالا اصول کے مطابق خدا کے رجسٹر میں درج ہوگا اور ہر حق دار اس اجر کو حاصل کرلے گا لیکن روزے کی جو عبادت ہے اس کا صلہ اللہ تعالیٰ نے اس فارمولے کے تحت نہیں رکھا ہے بلکہ اس کا فیصلہ کسی اور فارمولے کے مطابق ہوگا جس کا علم صرف اسی کو ہے۔

جب جزا دینے کا وقت آئے گا، تب وہی اس کو کھولے گا اور خاص اپنے ہاتھ سے ہر روزہ رکھنے والے کو صلہ دے گا۔ جس عبادت کی جزا کے لیے یہ کچھ اہتمام ہوگا کون اندازہ کرسکتا ہے کہ آسمان وزمین میں سب کا مالک اس کی کیا جزا دے گا۔

سدِ ابوابِ فتنہ

اس کی دوسری برکت یہ ہے کہ آدمی کے اندر فتنہ کے جو بڑے بڑے دروازے ہیں، روزہ ان کو بڑی حد تک بند کر دیتا ہے۔ آدمی کے اندر فتنے کے بڑے دروازے جیسا کہ ایک سے زیادہ حدیثوں میں تصریح ہے بطن اور فرج ہیں، انھی کے سبب سے آدمی نہ جانے خود کتنی ہلاکتوں میں مبتلا ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی نہیں معلوم کتنی ہلاکتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ یہی راستے ہیں، جن سے شیطان، انسان پر سب سے زیادہ حملہ آور ہوتا ہے۔ اگر کوئی انسان ان کی حفاظت کر سکے تو سمجھیے کہ اس نے اپنے آپ کو دوزخ کے عذاب سے بچالیا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے جنت کی ضمانت دی ہے جو شخص ان دونوں چیزوں کی حفاظت کی ضمانت دے سکے، ایک حدیث کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

> "سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ان چیزوں کے بارے میں مجھے ضمانت دے سکے جو اس کے دونوں کلّوں اور دونوں ٹانگوں کے درمیان میں ہیں، میں اس کے لیے جنت کا ضامن بنتا ہوں۔" (متفق علیہ)

روزہ ان کی حفاظت کا بہتر سے بہتر انتظام کرتا ہے۔ انسان کے لیے روزے میں صرف کھانا پینا ہی حرام نہیں ہو جاتا بلکہ لڑنا جھگڑنا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا اور غیر ضروری باتوں میں حصہ لینا بھی روزے کے مقصد کے بالکل خلاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روزے میں صرف شہوانی تقاضوں کا پورا کرنا ہی حرام نہیں ہو جاتا بلکہ وہ تمام چیزیں بھی روزے کے منشا کے خلاف ہیں جو اس کے شہوانی میلانات کو شہ دینے والی ہوں۔ روزہ خود بھی ان میلانات کو ضعیف کرتا ہے اور روزہ دار کو بھی ہدایت ہے کہ وہ حتی الامکان اپنے آپ کو ان تمام مواقع سے دور رکھے، جہاں سے اس کے ان رجحانات کو غذا بہم پہنچ جانے کا امکان ہو۔

فتنہ کے دروازوں کے بند ہو جانے سے اس کے لیے ان کاموں کا کرنا نہایت آسان ہو جاتا ہے جو خدا کی رضا کے کام ہیں اور جن سے جنت حاصل ہوتی ہے اور ان کاموں کی راہیں بند ہو جاتی ہیں جو خدا کی مرضی کے خلاف کام ہیں اور جن کے سبب آدمی دوزخ میں پڑے گا۔ شیطان اس کے آگے بالکل بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کو ساری

چوکڑی بھول جاتی ہے۔ وہ ڈھونڈتا ہے لیکن اس کو روزہ دار پر حملہ کرنے کے لیے کوئی راہ نہیں ملتی۔ یہی حقیقت ہے جو ایک حدیث شریف میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب رمضان کا مہینا آتا ہے، جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں۔'' (متفق علیہ)

قوتِ ارادی کی تربیت

روزے کی تیسری برکت یہ ہے کہ یہ آدمی کی قوتِ ارادی کی بہترین طریقہ پر تربیت کرتا ہے۔ شریعت کے حدود کی پابندی کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ آدمی کی قوتِ ارادی نہایت مضبوط ہو، بغیر مضبوط قوتِ ارادی کے یہ بالکل ناممکن ہے کہ کوئی شخص شہوات و جذبات اور خواہشات کے غیر معتدل ہیجانات کو دبا سکے اور جو شخص ان کے مفرط ہیجان کو دبا نہیں سکتا، اس کے لیے یہ محال ہے کہ وہ شریعت کے حدود کو قائم رکھ سکے۔ ایک ضعیف اور لجلجے ارادہ کا آدمی ہر قدم پر ٹھوکر کھا سکتا ہے۔ جب بھی کوئی چیز اس کے غصے کو اشتعال دلانے والی سامنے آجائے گی وہ بڑی آسانی سے اس سے مغلوب ہو جائے گا۔ جب بھی کوئی طمع پیدا کرنے والی چیز اس کو اشارہ کر دے گی وہ اس کے پیچھے لگ جائے گا اور جہاں بھی کوئی چیز اس کو اکسانے والی نظر آجائے گی وہیں وہ پھسل کر گر پڑے گا۔ اس طرح کی ضعیف قوتِ ارادی کا انسان دنیا میں عزم و ہمت کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ وہ شریعت کے حدود و قیود کی پابندی کر سکے۔ بالخصوص شریعت کا وہ حصہ جو انسان کو برائیوں سے روکتا ہے، مضبوط صبر کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس صبر کو مشق روزے سے حاصل ہوتی ہے اور پھر اسی صبر سے وہ تقویٰ پیدا ہوتا ہے جو روزے کا اصل مقصود ہے۔

چنانچہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ	''اے ایمان والو، تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں
كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ	جس طرح تم سے پہلے لوگون پر فرض کیے گئے تھے،
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (۲:۱۸۳)	تا کہ تم تقوی حاصل کرو۔''

''تا کہ تم تقویٰ حاصل کرو'' یعنی تا کہ صبر اور برداشت کی تربیت سے تمھاری قوتِ ارادی مضبوط ہو اور تمام ترغیبات و تحریکات اور تمام مشکلات و موانع کا مقابلہ کر کے تم شریعت کے حدود پر قائم رہ سکو۔

یہی قوت مومن کے ہاتھ میں وہ ہتھیار ہے جس سے وہ شیطان کے ہر وار کو روک سکتا ہے جو وہ خواہشات، جذبات اور شہوات کی راہ سے اس پر کرتا ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر اس حدیث میں جو اوپر گزر چکی ہے، روزے کو ایک ڈھال کہا گیا ہے اور روزہ دار کو یہ ڈھال استعمال کرنے کی تعلیم یوں دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے گالم گلوچ یا لڑائی جھگڑا شروع کر دے تو اس سے کہے کہ میں روزے سے ہوں۔

جذبۂ ایثار کی پرورش

روزے سے انسان کے اندر جذبۂ ایثار کی بھی پرورش ہوتی ہے اور یہ جذبہ انسان کے ان اعلیٰ جذبات میں سے ایک ہے جن سے ہزاروں نیکیوں کے لیے اس کے اندر حرکت پیدا ہوتی ہے۔ انسان جب روزے میں بھوکا پیاسا رہتا ہے اور اپنی دوسری خواہشوں کو بھی دبانے پر مجبور ہوتا ہے تو اس طرح اسے غریبوں، فاقہ کشوں، محتاجوں اور مظلوموں کے دکھ درد اور ان کے شب و روز کا اندازہ کرنے کا بذات خود موقع ملتا ہے۔ وہ بھوک اور پیاس کا مزا چکھ کر بھوکوں اور پیاسوں سے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ ان کی ضرورتوں اور تکلیفوں کو سمجھنے لگتا ہے اور پھر قدرتی طور پر اس کے اندر جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر ان کے لیے کچھ کر سکتا ہے تو کرے۔ روزے کا یہ اثر ہر شخص پر اس کی استعداد و صلاحیت کے اعتبار سے پڑتا ہے، کسی پر کم پڑتا ہے، کسی پر زیادہ۔ لیکن جس شخص کے روزے میں روزے کی خصوصیات موجود ہیں، ان پر روزے کا یہ اثر پڑتا ضرور ہے۔ جن کا جذبۂ ایثار کمزور ہوتا ہے، روزہ کچھ نہ کچھ ان کو بھی متحرک کر دیتا ہے اور جن کے اندر یہ جذبہ قوی ہوتا ہے، ان کے لیے تو روزوں کا مہینا اس جذبہ کو ابھرنے کے لیے گویا موسم بہار ہوتا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تر دستیاں اور فیض بخشیاں یوں تو ہمیشہ ہی جاری رہتی تھیں لیکن رمضان کا مہینا تو گویا آپ کے جود و کرم کا موسمِ بہار ہوتا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو عام حالات میں بھی سب سے زیادہ فیاض تھے، لیکن رمضان میں تو گویا آپ سراپا جود و کرم ہی بن جاتے۔'' (متفق علیہ)

قرآنِ مجید سے مناسبت

روزے کی حالت میں آدمی کی قرآنِ مجید کے ساتھ مناسبت بڑھنے کی دو وجوہ ہیں: ایک یہ کہ بہت سے دنیاوی مشاغل کا بوجھ روزہ دار کے اوپر سے اترا ہوا ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نفس کے میلانات و رجحانات میں جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، روزے کے سبب سے بڑی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ خاموشی، خلوت، غیر ضروری

مصروفیتوں سے علیحدگی اور ترک وانقطاع کی ایک مخصوص زندگی، جو روزہ دار کو حاصل ہوتی ہے، قرآن کی تلاوت اور اس کے تدبر کے لیے کچھ خاص موزونیت رکھتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت اتاری جب آپ غارِ حرا میں معتکف تھے۔ نیز قرآن کے نزول کے لیے اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مہینے کو منتخب فرمایا اور اس نعمت کی شکر گزاری کے لیے اس پورے مہینے میں روزے رکھنا امت پر فرض قرار دیا۔ بعض احادیث میں وارد ہے کہ رمضان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر شب میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرأتِ قرآنِ مجید کا مذاکرہ کرنے کے لیے تشریف لایا کرتے تھے اور جتنا قرآن مجید نازل ہوا ہوتا تھا اس کا مذاکرہ فرماتے تھے۔ رمضان کی راتوں میں تراویح میں قرآنِ مجید کے سننے اور سنانے کی جو اہمیت ہے وہ ہر شخص کو معلوم ہے۔ یہ ساری باتیں شہادت دیتی ہیں کہ قرآنِ مجید کو روزوں سے اور روزوں کو قرآنِ مجید سے گہری مناسبت ہے۔

تبتل الی اللہ

روزے کی اصل غایت دل، دماغ اور روح، سب کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا ہے۔ اسی چیز کو قرآنِ مجید میں تبتل الی اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ مقام آدمی کو روزے سے حاصل ہوتا ہے اور اسی کو حاصل کرنے کے لیے روزے کے ساتھ اعتکاف کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اعتکاف اگرچہ ہر شخص کے لیے رمضان کے روزوں کی طرح ضروری چیز نہیں ہے بلکہ یہ اختیاری عبادت ہے۔ لیکن تزکیۂ نفس کے نقطۂ نظر سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر رمضان کے آخری عشرہ میں جبکہ روح میں تجرد وانقطاع اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی ایک خاص کیفیت و حالت پیدا ہو جاتی ہے، آدمی اعتکاف میں بیٹھ جائے تو اس سے روزے کا جو اصل مقصود ہے، وہ کمال درجہ حاصل ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں جو اہتمام فرماتے تھے، اس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس طرح فرماتی ہیں:۔

> ''جب رمضان کا آخری عشرہ آتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب بیداری فرماتے، اپنے اہل و عیال کو بھی شب بیداری کے لیے اٹھاتے اور کمر کس کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کھڑے ہوتے۔''

روزے کی آفات اور ان کا علاج

روزے کی برکات میں سے یہ چند برکات ہم نے بیان کی ہیں لیکن یہ برکتیں اس صورت میں ظاہر ہوتی ہیں جب آدمی اپنے روزے کو ان تمام آفتوں سے محفوظ رکھ سکے جو روزے کو خراب کر دینے والی ہیں۔ یہ آفتیں چھوٹی اور بڑی

بہت سی ہیں۔ ہم تزکیۂ نفس کے طالبوں کی واقفیت کے لیے یہاں چند بڑی آفتوں کا ذکر کریں گے اور ساتھ ہی ان کے وہ علاج بھی بتائیں گے جو قرآن اور حدیث میں بیان ہوئے ہیں تاکہ جو لوگ اپنے روزوں کی حفاظت کرنا چاہیں، ان سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔

لذتیں اور چٹخاروں کا شوق

روزے کی عبادت جیسا کہ اوپر واضح ہو چکا ہے، اس لیے مقرر کی گئی ہے کہ آدمی اپنی خواہشوں پر قابو پا سکے یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب آدمی اس مقصد کو روزوں میں ملحوظ رکھے اور ان رغبتوں کو حتی الامکان دبائے جن کے آگے اپنی روزمرہ زندگی میں وہ اکثر بے بس ہو جایا کرتا ہے اور یہ بے بسی اس کو بہت سی اخلاقی اور شرعی کمزوریوں میں مبتلا کر دیتی ہے، لیکن بہت سے لوگ اس مقصد کو بالکل ملحوظ نہیں رکھتے، ان کے نزدیک روزے کا مہینا خاص کھانے پینے کا مہینا ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اس مہینے میں کھانے پینے پر جتنا بھی خرچ کیا جائے، خدا کے ہاں اس کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔ اس خیال کے لوگ اگر خوش قسمتی سے کچھ خوش حال بھی ہوتے ہیں تو پھر فی الواقع ان کے لیے روزوں کا مہینا کام و دہن کی لذتوں سے متمتع ہونے کا موسمِ بہار ہی بن کے آتا ہے۔ وہ روزے کی پیدا کی ہوئی بھوک اور پیاس کو نفس کشی کے بجائے نفس پروری کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ وہ صبح سے لے کر شام تک طرح طرح کے پکوانوں کے پروگرام بنانے اور ان کے تیار کرانے میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں اور افطار سے لے کر سحر تک اپنی زبان اور اپنے پیٹ کی تواضع میں اپنا وقت گزارتے ہیں۔ میں ایک ایسے بزرگ سے واقف ہوں جو ایک دین دار آدمی تھے لیکن ان کا نظریہ یہ تھا کہ رمضان کا مہینا کھانے پینے کا خاص مہینا ہے چنانچہ اس نظریہ کے تحت وہ رمضان کے مہینے کے لیے کھانے پینے کی مختلف چیزوں کا اہتمام بہت پہلے سے شروع کر دیتے تاکہ رمضان میں ان کی تنوعات سے متمتع ہو سکیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ روزہ کھانے پینے کے شوق کو اکسا دیتا ہے، لیکن روزے کا مقصود اسی اکساہٹ کو دبانا ہے نہ کہ اس کی پرورش کرنا۔ اس وجہ سے صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنی قوت کار کو باقی رکھنے کے لیے کھائے پیے تو ضرور، لیکن ہرگز کھانے پینے کو اپنی زندگی کا موضوع نہ بنا لے۔ جو کچھ بغیر کسی خاص سرگرمی اور بغیر کسی خاص اہتمام کے میسر آ جائے، اس کو صبر و شکر کے ساتھ کھا لے۔ اگر کوئی چیز پسند کے خلاف سامنے آئے تو اس پر بھی گھر والوں پر غصے کا اظہار نہ کرے۔ اگر کسی کو خدا نے فراغت و خوش حالی دی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ خود اپنے کھانے پینے پر اسراف کرنے کے بجائے غریب اور مسکین روزہ داروں کی مدد اور ان کے کھلانے پلانے پر خرچ کرے۔ اس چیز سے اس

کے روزے کی روحانیت اور برکت میں بڑا اضافہ ہوگا۔ رمضان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی کا جو حال ہوتا تھا، اس کے متعلق ایک حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ روزہ افطار کرانے کے ثواب سے متعلق ایک حدیث کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''زید بن خالد جہنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا، اس کے لیے روزہ دار کے برابر اجر ہے اور اس سے روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

(ریاض الصالحین، بحوالہ ترمذی)

اشتعالِ طبیعت

آدمی جب بھوکا پیاسا ہو تو قاعدہ ہے کہ اس کا غصہ بڑھ جاتا ہے۔ جہاں کوئی بات ذرا بھی اس کے مزاج کے خلاف ہوئی، فوراً اس کو غصہ آ جاتا ہے۔ روزے کے مقاصد میں سے یہ چیز بھی ہے کہ جن کی طبیعتوں میں غصہ زیادہ ہو، وہ روزے کے ذریعہ سے اپنی طبیعتوں کی اصلاح کریں۔ لیکن یہ اصلاح اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب آدمی روزے کو اپنی طبیعت کی اس خرابی کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ اگر وہ اس کو اپنی طبیعت کی اصلاح کا ذریعہ نہ بنائے تو اس بات کا بڑا اندیشہ ہے کہ روزہ اس پہلو سے اس کے لیے مفید ہونے کے بجائے الٹا مضر ہو جائے یعنی اس کی طبیعت کا اشتعال کچھ اور زیادہ ترقی کر جائے۔ جو شخص اس کو اپنی اصلاح کا ذریعہ بنانا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ جب اس کی طبیعت میں اشتعال پیدا ہو یا کوئی دوسرا اس کے اندر اشتعال کو پیدا کرنے کی کوشش کرے تو وہ فوراً اس بات کو یاد کرے کہ 'انا صائم'، میں روزے سے ہوں اور یہ چیز روزے کے مقصد کے بالکل منافی ہے۔ یہ طریقہ اختیار کرنے سے آدمی کو غصے پر قابو پانے کی تربیت ملتی ہے اور آہستہ آہستہ یہ تربیت اس کے مزاج کو بالکل بدل دیتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اپنے غصے پر اس حد تک قابو حاصل ہو جاتا ہے کہ اس کو وہ وہیں استعمال کرتا ہے جہاں وہ اس کو استعمال کرنا چاہتا ہے، لیکن بہت سے لوگ اسلام کے بتائے ہوئے اس اصول کے بالکل خلاف روزے کو سپر کے بجائے تلوار کے طور پر استعمال کرنے کے عادی بن جاتے ہیں یعنی روزہ ان کے لیے ضبطِ نفس کے بجائے اشتعالِ نفس کا بہانہ بن جایا کرتا ہے۔ وہ بیوی پر، بچوں پر، نوکروں پر، ماتحتوں پر، ذرا ذرا سی بات پر برس پڑتے ہیں، صلواتیں سناتے ہیں، گالیاں بکتے ہیں اور بعض حالات میں مار پیٹ سے بھی دریغ نہیں کرتے اور پھر اپنے آپ کو اس خیال کی تسلی دے لیتے ہیں کہ کیا کروں، روزے میں ایسا ہی ہو جایا کرتا ہے۔

جو لوگ اپنے نفس کو اس راہ پر ڈال دیتے ہیں، ان کے لیے روزہ اصلاحِ نفس کا ذریعہ بننے کے بجائے ان کے

بگڑے ہوئے نفس کو بگاڑنے کا مزید سبب بن جایا کرتا ہے۔ جو روزہ بھی وہ رکھتے ہیں، وہ ان کے نفسِ مشتعل کے لیے چابک کا کام دیتا ہے جس سے ان کا نفس تیز سے تیز تر ہوتا جاتا ہے۔ جو شخص روزے کی برکتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ روزے کو اپنے نفس کے لیے ایک لگام کے طور پر استعمال کرے اور ہر اشتعال دلانے والی بات کو اسی سپر سے روکے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ تجربہ گواہی دیتا ہے کہ اگر روزے کے احترام کا یہ احساس طبیعت پر غالب رہے تو آدمی بڑی سے بڑی ناگوار بات بھی برداشت کر جاتا ہے اور اس پر احساسِ کمتری طاری نہیں ہوتا بلکہ اس طرح کی آزمایش کے جتنے مواقع اس کے سامنے آتے ہیں، وہ ہر موقع پر یہ محسوس کرتا ہے کہ اس نے شیطان پر ایک فتح حاصل کی ہے اور اس فتح کا احساس اس کے غصہ کو ایک راحت واطمینان کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے۔

دل بہلانے والی چیزوں کی رغبت

روزے کی ایک عام آفت یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ، جن کے ذہن کی تربیت نہیں ہوئی ہوتی ہے، کھانے پینے اور زندگی کی بعض دوسری دلچسپیوں سے علیحدگی کو ایک محرومی سمجھتے ہیں اور اس محرومی کے سبب سے ان کے لیے دن کاٹنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ اس مشکل کا حل وہ یہ پیدا کرتے ہیں کہ بعض ایسی دلچسپیاں تلاش کر لیتے ہیں جو ان کے خیال میں روزے کے مقصد کے منافی نہیں ہوتیں، مثلاً یہ کہ تاش کھیلتے ہیں، ناول، ڈرامے اور افسانے پڑھتے ہیں، ریڈیو پر گانے سنتے ہیں، دوستوں میں بیٹھ کر گپیں ہانکتے ہیں اور بعض من چلے سینما کا ایک آدھ شو دیکھنے میں بھی کوئی قباحت نہیں خیال کرتے۔

ان سب سے زیادہ سہل الحصول بعض لوگ یہ پیدا کر لیتے ہیں کہ اگر ایک دو ساتھی میسر آ جائیں تو کسی کی غیبت میں لپٹ جاتے ہیں۔ روزے کی بھوک میں آدمی کا گوشت بڑا لذیذ معلوم ہوتا ہے اور تجربہ گواہی دیتا ہے کہ اگر روزہ رکھ کر کے آدمی کو یہ لذیذ مشغلہ مل جائے تو آدمی جھوٹ، غیبت، ہجو اور اس قسم کی دوسری آفتوں کا، جن کو حدیث میں حصائد اللسان سے تعبیر کیا گیا ہے، ایک انبار لگا دیتا ہے۔ اسی مشغلہ میں صبح سے شام کر دیتا ہے۔ یہ چیزیں آدمی کے روزے کو بالکل برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔

ان کا ایک علاج تو یہ ہے کہ آدمی خاموشی کو روزے کے ضروری آداب میں سے سمجھے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ پچھلے مذاہب میں چپ رہنا بھی روزے کے شرائط میں داخل تھا۔ چنانچہ قرآنِ مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

مریم علیہا السلام روزہ کی حالت میں صرف اشارے سے بات کرتی تھیں۔ اسلام نے روزہ داروں پر یہ پابندی تو عائد نہیں کی ہے لیکن اس پابندی کے نہ ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آدمی روزے میں اپنی زبان کو چھوٹ دے دے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی ضروری اور مفید بات کرنے کا موقع پیش آ جائے تو کر لے ورنہ خاموش رہے۔ جو شخص ہر قسم کا اناپ شناپ اور جھوٹی سچی باتیں زبان سے نکالتا رہتا ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ پھر اس کا محض کھانا پینا چھوڑ دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک بالکل بے نتیجہ کام ہے:

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔“

(ریاض الصالحین بحوالہ بخاری)

اس کا دوسرا علاج یہ ہے کہ آدمی کا جو وقت گھر کے کام کاج اور معاش کی مصروفیتوں سے فاضل بچے اس کو مفید چیزوں کے مطالعہ میں صرف کرے۔ روزے کے دنوں کے لیے قرآن شریف، حدیث شریف، سیرت نبوی، سیرت صحابہ اور تزکیۂ نفس کی کتابوں کے مطالعے کا ایک باقاعدہ پروگرام بنا لے۔ خصوصیت کے ساتھ قرآنِ مجید کے تدبر پر پابندی کے ساتھ کچھ نہ کچھ وقت ضرور صرف کرے۔ قرآن مجید کو روزے کی عبادت کے ساتھ، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، ایک خاص مناسبت ہے۔ اس مناسبت کے سبب سے روزہ دار پر قرآن کی خاص برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ہر روزہ دار کو ان برکتوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

قرآنِ مجید اور ماثور دعاؤں کے یاد کرنے کے لیے بھی آدمی کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکالے۔ اس طرح قرآنِ مجید اور مسنون دعاؤں کا آدمی کے پاس آہستہ آہستہ ایک ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے، جو آدمی کے جمع کیے ہوئے مال و اسباب کے ذخیروں سے کہیں زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔

ریا

ریا کا فتنہ جس طرح تمام عباتوں کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اسی طرح روزے کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے۔ بہت سے لوگ روزے تو رکھتے ہیں، بالخصوص رمضان کے روزے، لیکن ہوسکتا ہے کہ ان میں بہت کچھ دخل اس احساس کو بھی ہو کہ روزے نہ رکھے تو پاس پڑوس کے روزہ داروں میں نکو بننا پڑے گا یا لوگوں میں جو دین داری کا بھرم ہے، وہ جاتا رہے گا یا اپنے گھر اور خاندان والے ہی برا مانیں گے۔ اس طرح کے مختلف احساسات ہیں، جو رمضان کے روزوں میں شریک بن جاتے ہیں اور اس طرح وہ خلوصِ نیت آلودہ اور مشتبہ ہو جایا کرتی ہے جو روزے کی حقیقی برکتوں کے

ظہور کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے کہ جس بندے کی نیت میں خدا کی خوش نودی کے سوا کوئی اور محرک شریک ہو جائے تو یہ روزہ، وہ روزہ نہیں ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ:

''بندہ میرے لیے اپنا کھانا پینا اور اپنی شہوت چھوڑتا ہے، روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کا بدلہ دوں گا۔''

بلکہ یہ روزہ اسی غرض کے لیے جائے گا جس غرض کے لیے رکھا گیا ہے۔

اس آفت کا اول علاج تو یہ ہے کہ آدمی اپنی نیت کو ہر دوسرے شائبہ سے حتی الامکان پاک کرنے کی کوشش کرے۔ ہر روز اسے سوچنا چاہیے کہ اپنے روزے کو تمام برکتوں سے محروم کر کے فاقہ کے درجہ میں ڈال دینا انتہائی نادانی ہے۔ آخر یہ مشقت اٹھانے کا حاصل کیا ہوا جب کہ یہ دنیا میں بھی موجبِ کلفت اور آخرت میں بھی موجبِ وبال بنے۔ اس طرح نفس کے سامنے بار بار روزہ کی قدر و قیمت واضح کرنی چاہیے تاکہ اس کی نگاہ دوسروں کی طرف سے ہٹ کر خدا کی طرف متوجہ ہو۔

اس کا دوسرا علاج یہ ہے کہ آدمی رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی رکھے اور اس میں دو باتوں کا اہتمام کرے، ایک حتی الامکان اخفا کا، یعنی ان کا اشتہار دینے کی کوشش نہ کرے۔ دوسری اعتدال یا میانہ روی کا یعنی نفلی روزے اسی حد تک رکھے جس حد تک خواہشات وشہوات کو حالتِ اعتدال پر لانے کے لیے ان کی ضرورت ہو۔ اگر اس حد سے بڑھ جائے گا تو وہ چیز خود بھی ایک فتنہ ہے اور اسلام نے اس سے بھی بڑی شدت کے ساتھ روکا ہے۔ روزے کی حیثیت ایک دوا کی ہو، دوا اگر ضرورت سے زیادہ استعمال کر لی جائے تو بسا اوقات یہ خود بھی ایک بیماری بن جاتی ہے۔

(تزکیۂ نفس، ص ۲۷۳۔۲۸۶)

محمد رفیع مفتی

غیر مسلم اقوام میں روزہ

قرآنِ مجید میں روزے کا حکم نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ تم پر روزوں کا یہ فرض کیا جانا کوئی نئی بات نہیں ہے، ہم نے تم سے پہلی امتوں پر بھی روزے اسی طرح فرض کیے تھے جیسے تم پر کیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ روزے کی یہ عبادت تقریباً دنیا کے تمام مذاہب میں پائی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی تردید ممکن نہیں۔ روزے کے بارے میں اسی پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے 'Encyclopedia of Religion' میں لفظ روزہ (Fasting) کے تحت مضمون نگار لکھتا ہے:

''روزہ یعنی غذا سے مکمل یا جزوی پرہیز ایک ایسا آفاقی عمل ہے جو مشرق و مغرب کی تقریباً سبھی تہذیبوں میں پایا جاتا ہے۔''

'Encyclopedia Britannica' میں روزہ کے تحت اسی پہلو کو بیان کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتا ہے:

''خاص مقاصد کے لیے یا اہم مقدس اوقات کے دوران میں یا ان سے قبل روزہ رکھنا دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کا خاصہ ہے۔''

'Jewish Encyclopedia' میں ''روزہ اور روزہ کے ایام'' (Fasting and Fast days) کے تحت مضمون نگار نے اس حقیقت کو یوں واضح کیا ہے:

''روزے کی تعریف عموماً یہ کی جاتی ہے کہ مذہبی اور اخلاقی مقاصد کے حصول کے لیے خوش دلی سے جسم کو ایک مقررہ مدت کے لیے تمام قدرتی غذاؤں سے محروم رکھنا۔ روزے کے اس دستور کو دنیا کے تمام مذاہب میں بہت مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت بھی ہے کہ مختلف مذاہب اور قوموں میں اس کے محرکات اور اس کی شکلیں مختلف رہی ہیں۔''

مذہبی معلومات کی لغت "Theological Dictionary by Rev. Charlas Buck" میں روزہ کے تحت یہی بات ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

''کوئی آدمی مذہبی روزوں کو کتنی ہی کم اہمیت کیوں نہ دے۔ یہ بات صاف محسوس ہوتی ہے کہ اکثر قدیم اقوام نے بھی اس مذہبی دستور کو اپنایا ہے۔ مصریوں، فونیشیوں اور آشوریوں کے ہاں بھی ایسے ہی روزے پائے جاتے ہیں، جیسے یہودیوں کے ہاں پائے جاتے ہیں۔''

دنیا میں آج جتنے مذاہب بھی ہمیں نظر آتے ہیں، ان کے بارے میں یہ بات تو نہیں کہی جاسکتی کہ یہ سب کے سب الہامی ہیں البتہ، یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے علاوہ ان میں سے دو اور مذاہب یعنی یہودیت اور نصرانیت کی ابتدا خدا کے سچے پیغمبروں سے ہوئی تھی۔ رہے باقی مذاہب تو ان کے مطالعے سے بھی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حقیقت میں آسمانی ہدایت ہی کی بگڑی ہوئی شکلیں یا اس کی وہ بھونڈی نقالی ہیں جسے پیش کرنے والوں نے خدائی شریعت کے رنگ ڈھنگ میں پیش کیا ہے۔ بہر حال، ان سب مذاہب میں جہاں اور بہت سی عبادات پائی جاتی ہیں وہاں روزے کی عبادت بھی موجود ہے۔ اس تحریر میں ہمارے پیشِ نظر یہ ہے کہ ہم مختلف اقوام اور مختلف مذاہب میں روزہ کی عبادت اور اس کے مختلف طریقوں کا مطالعہ کریں۔ اس ضمن میں سب سے پہلے ہم ہندوستان اور اس کے گرد و پیش میں پائے جانے والے مذاہب کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ہندوستان اور اس کے گرد و پیش کے مذاہب

پہلے ہندوستان میں پائے جانے والے قدیم مذہب ہندومت کو دیکھتے ہیں۔ ہندومت کا مختصر تعارف یہ ہے کہ یہ وہ مذہب ہے جو آریاؤں نے آج سے تقریباً پونے چار ہزار برس پہلے ہندوستان میں آکر اختیار کیا۔ ہندومت کی تعریف ہی یوں کی گئی ہے کہ یہ درحقیقت روزوں، دعوتوں اور تہواروں کا مذہب ہے[1]۔ اس مذہب کے ایک نمائندے ٹی ایم مہادیون صدر شعبۂ فلسفہ مدراس یونیورسٹی ہندو مذہب اور ہندو سماج میں روزہ کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان تہواروں میں، جن کو سالانہ منایا جاتا ہے بعض تہوار روزہ (برت) کے لیے مخصوص ہیں، جو تزکیۂ نفس کے لیے رکھا جاتا ہے۔ ہر ہندو فرقے نے دعا و عبادت کے لیے کچھ دن مقرر کر لیے ہیں۔ جن میں اکثر افراد روزہ رکھتے ہیں، کھانے پینے سے باز رہتے ہیں۔ رات بھر جاگ کر اپنی مذہبی کتابوں کی تلاوت کرتے اور مراقبہ کرتے

---

1. A Hand book on living Religions: by John R. Hinnells: (Hinduism)

ہیں، ان میں سے سب سے اہم اور مشہور تہوار جو مختلف فرقوں میں رائج ہے، ''ویکنتا ایکاوشی'' کا تہوار ہے، جو 'وشنو' کی طرف منسوب ہے، لیکن اس میں صرف وشنو ہی کے ماننے والے نہیں بلکہ دوسرے بہت سے لوگ بھی روزہ رکھتے ہیں، اس تہوار میں وہ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور رات کو پوجا کرتے ہیں۔

بعض دن ایسے ہیں جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں (ان دنوں میں) وہ ان دیبیوں (دیویوں) سے دعائیں کرتی ہیں، جو ایشور کی ان نسوانی صفات کا مظہر ہیں، جو مختلف اشکال میں ظاہر ہوئی ہیں۔ ان دنوں کو ان کی مخصوص اہمیت کے پیشِ نظر ''برت'' یا عہد ومعاہدہ کہا جاتا ہے اور یہ روح کے تزکیے کے لیے مخصوص ہیں۔ ان کا مقصد روح کو معنوی غذا پہنچانا ہے[۲]۔''

مختلف تہواروں پر اس طرح سے روزہ رکھنا عوام کا طریقہ ہے۔ خواص ان مواقع پر تو روزے رکھتے ہیں لیکن وہ ان کے علاوہ اور روزے بھی رکھتے ہیں۔ مثلاً ہندو جوگی چلہ کشی کرتے ہیں یعنی چالیس دن تک اکل وشرب سے پرہیز کرتے ہیں[۳]۔ اس کے علاوہ یہ جوگی اور بھی کئی روزے رکھتے ہیں اور اپنے اس عمل کی وجہ سے عوام میں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں[۴]۔

ہندوؤں میں بعض روزے ایسے بھی ہیں جو برہمنوں (ہندوؤں کی برتر ذات) کے ساتھ خاص ہیں۔ مثلاً ہر ہندی مہینے کی گیارہ اور بارہ تاریخ کو برہمنوں پر اکاوشی کا روزہ فرض ہے۔ اس کے علاوہ بعض برہمن ہندی مہینے 'کاتک' کے ہر پیر کو روزہ رکھتے ہیں[۵]۔ ہندو سنیاسیوں کا طریقہ ہے کہ وہ یاترا یعنی مقدس مقامات کی زیارت کے دوران میں بھی روزے رکھتے ہیں[۶]۔

ہندوؤں میں نئے اور پورے چاند کے دنوں میں بھی روزہ رکھنے کا رواج ہے۔ "Sacred Books of the East" میں ویدوں کے حوالے سے ان روزوں کی ترغیب یوں دی گئی ہے کہ:

''صاحبِ خانہ اور اس کی بیوی کو نئے اور پورے چاند کے دنوں میں روزہ رکھنا چاہیے۔'' (ج۲، ص۱۰۰)

''پورے چاند کے دن جبکہ رات اور دن کے ملاپ کے وقت چاند طلوع ہوتا ہے تو آدمی کو چاہیے کہ وہ روزہ

۲۔ ''ارکانِ اربعہ'' ابوالحسن ندوی۔ (Out line of Hinduism Chapter 4, Section 6.)

۳۔ ''سیرت النبی''، سید سلیمان ندوی، ج۵، ص۲۴۲۔

۴۔ Encyclopedia Britannica Under Fasting.

۵۔ ''سیرت النبی''، سید سلیمان ندوی، ج۵، ص۲۴۲۔

۶۔ Encyclopedia of Religion Under Fasting.

رکھے۔''(ج ۳۰،ص ۲۵)

اس کے علاوہ ان کے ہاں قریبی عزیز یا بزرگ کی وفات پر بھی روزے رکھنے کا رواج ہے۔ "Sacred Books of the East" میں ویدوں کے حوالے سے اس کے بارے میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

اگر آدمی کی بیوی، بڑا گرو یا باپ انتقال کر جائے تو موت کے دن سے لے کر اگلے دن اسی وقت تک روزہ رکھنا چاہیے۔''(ج ۲،ص ۱۳۷)

گناہوں کے کفارے کے طور پر بھی روزہ رکھا جاتا ہے۔ "Sacred Books of the East" میں کفارے کے روزے کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''اگر کوئی شودر کسی دودھیل گائے یا جوان بیل کو بغیر کسی وجہ کے مار ڈالے یا کسی کو بے وجہ گالی دے تو اس پر کفارے کے طور پر لازم ہے کہ سات دن کے روزے رکھے۔''(ج ۲،ص ۸۴)

''کھانے کے دوران میں اگر میزبان کو یاد آ جائے کہ اس نے مہمان کو خوش آمدید نہیں کہا تو اسے فوراً کھانا چھوڑ کر روزہ رکھنا چاہیے۔''(ج ۲،ص ۱۲۱)

ہندوؤں میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ کسی کی وفات یا پیدایش کی بعض صورتیں انسان کے لیے ناپاکی کا باعث بنتی ہیں۔ یہ ناپاکی برہمن کو لاحق ہو تو دس دن میں خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ کھتری کو لاحق ہو تو پندرہ دنوں میں ختم ہو جاتی ہے۔ ویش کو لاحق ہو تو بیس دنوں میں ختم ہوتی ہے اور شودر کو یہ ناپاکی لاحق ہو تو ایک مہینے کے بعد ختم ہوتی ہے۔ شودر کی ناپاکی کے اس عرصے میں اگر کوئی آدمی جو پہلے ہی دو بار جنم لے چکا ہو، اس کے ہاں کھانا کھائے تو سخت گناہ گار ہو جاتا ہے۔ اس گناہ کے کفارے کی صورت "Sacred Books of East" کے مصنف نے یہ بیان کیا ہے:

''ایسا گناہ گار بارہ ماہ تک وید کی سمتھا کی تلاوت کرنے سے یا پھر بارہ نصف مہینوں کے روزے رکھنے سے اپنے گناہ سے پاک ہو جاتا ہے۔''(ج ۱۴،ص ۳۰)

گرو (استاد) کے ساتھ آداب کو ملحوظ نہ رکھنے کے جرم کا کفارہ بیان کرتے ہوئے "Sacred Books of the East" کا مصنف لکھتا ہے:

اگر کسی نے اپنے اساتذہ کو بے ادبی کرتے ہوئے ناراض کر دیا تو اسے روزہ رکھنا ہوگا اور اس وقت تک کھانے سے پرہیز کرنا ہوگا جب تک اسے معافی نہ مل جائے۔''(ج ۷،ص ۱۳۰)

ہندوؤں میں بعض عمومی واقعات سے براشگون لینے کا بہت رواج ہے۔ ان کی مذہبی کتابوں میں ایسی بدشگونیوں

کے اثرات سے بچنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ "Sacred Books of the East" کا مصنف بیان کرتا ہے:

''اگر استاد اور شاگرد کے درمیان سے کتا، نیولا، سانپ، مینڈک یا بلی گزر جائے تو ان کے لیے تین دن کا روزہ اور سفر ضروری ہے۔'' (ج ۲، ص ۱۸۴)

ان سب روزوں کے علاوہ ہندوؤں میں منت اور نذر کے روزے رکھنے کا بھی رواج ہے۔ ویدوں کی تلاوت کے اختتام پر روزہ رکھنے کا بھی رواج ہے، شکرانے کے روزوں کا بھی رواج ہے۔ چنانچہ ہندومت کے بارے میں یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اس مذہب میں روزے بہت نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

اس کے بعد ہم ہندوستان کے ایک دوسرے مذہب ''جین مت'' کا روزوں ہی کے حوالے سے مطالعہ کرتے ہیں۔ جین مت کا مختصر تعارف یہ ہے کہ اس کی ابتدا آج سے تقریباً ۲۵۵۰ سال پہلے ہندوستان کے علاقے اتر پردیش میں ہوئی۔ مہاویر اس مذہب کے بانی ہیں۔

جین مت میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ راہبانہ ریاضتیں انسان کے باطن کی اصلاح کرتی ہیں۔ وہ انھی ریاضتوں میں روزے کو بھی شامل کرتے ہیں۔ یہ اصلاح اس طرح ہوتی ہے کہ ان سے کرمن[ے] کے وہ انبار نہیں لگتے، جو زندگی کے جوہر کو بوجھل کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک روزہ انسانوں کو کرمن سے آزاد ہونے کی راہ پر لے جاتا ہے[۸]۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سنیاسی مرد اور عورتیں اپنی روزمرہ زندگی میں تعلیم، مراقبوں اور ان جسمانی ریاضتوں میں مصروف رہتے ہیں، جن میں سے ایک روزہ بھی ہے۔ یہ ریاضتیں اسی لیے بنائی گئی ہیں کہ یہ روح (Jiva) کے کرمن سے آزاد ہونے کے عمل کو بڑھاتی چلی جائیں[۹] اور اسے آگے آنے والی روحانی منازل کی طرف لے چلیں۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر بہت سے راہبانہ ضابطے زندگی بھر کے لیے اپنانے ضروری ہیں، کیونکہ ان کے بغیر ان مراحل سے گزرا نہیں جا سکتا۔ ان ریاضتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سنیاسی جب ریاضتیں کرتے کرتے بوڑھا ہو جاتا ہے تو وہ اپنی روحانی ترقی کے لیے چاہے تو رضا کارانہ طور پر اپنے لیے تا مرگ روزے کا انتخاب کر سکتا ہے۔ یعنی وہ سنیاسی

ے کرمن سے مراد ان کے نزدیک اعمال کے وہ اثرات ہیں جو انسان کے اگلے جنم کو اچھے یا برے پہلو سے متاثر کرتے ہیں۔

۸۔ Encyclopedia Britannica Under Fasting.

۹۔ جین دھرم میں بھی ہندو دھرم کی طرح نصب العین یہ ہے کہ روح جسم سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو کر راحت کی ابدی حالت کو پا لے۔ اس کے لیے وہ صرف نیک اعمال کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ دوسری کچھ خصوصی ریاضتوں کو بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ روزہ ان میں سے ایک ریاضت ہے۔

روزہ رکھ لے گا اور افطار نہیں کرے گا، حتیٰ کہ وہ مر جائے[10]۔

جین دھرم میں سنیاسی حضرات بعض مقررہ قواعد کے تحت روزہ رکھتے اور مراقبوں کی بعض ایسی مشقیں کرتے ہیں جن کے نتیجے میں انسان پر بے خودی کی ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے جس میں اس کا رابطہ اس دنیا سے کٹ جاتا ہے اور وہ کسی ماورائی حالت میں پہنچ جاتا ہے[11]۔ اس ماورائی حالت میں پہنچ جانے ہی کو وہ روحانی منزلوں کا حصول قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کے لیے انھیں روزوں کی سخت مشقیں کرائی جاتی ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ ''سیرت النبی'' میں جین دھرم کے ہاں روزوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہندوستان کے تمام مذاہب میں جینی دھرم میں روزہ کی سخت شرائط ہیں، چالیس دن تک کا ان کے یہاں ایک روزہ ہوتا ہے۔ گجرات ودکن میں ہر سال جینی کئی کئی ہفتہ کا روزہ رکھتے ہیں۔'' (ج ۵، ص ۲۴۲)

ہندومت کی طرح جین مت میں بھی سنیاسی یاترا (مقدس مقامات کی زیارت) کے دوران میں روزے رکھتے ہیں اور اسی طرح بعض خاص تہواروں سے پہلے[12] روزے رکھنے کا دستور بھی ان میں پایا جاتا ہے[13]۔ ان کے مذہب میں مشہور تہوار وہ ہیں جو ان کے مذہب کے بانی مہاویر کی زندگی کے مختلف ایام کی یاد میں منائے جاتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کا پہلا تہوار سال کے اس دن منایا جاتا ہے جس دن مہاویر عالمِ بالا سے بطنِ مادر میں منتقل ہوئے تھے۔ دوسرا تہوار ان کے یومِ پیدایش پر منایا جاتا ہے۔ تیسرا تہوار اس دن منایا جاتا ہے جس دن انھوں نے دنیا سے تیاگ اختیار کیا تھا، یعنی ترکِ دنیا کی راہ اختیار کی تھی۔ چوتھا تہوار اس دن منایا جاتا ہے جس دن انھوں نے الہام پا لیا تھا۔ اور پانچواں تہوار اس دن منایا جاتا ہے جس دن ان کی وفات ہوئی تھی اور ان کی روح نے جسم سے مکمل آزادی حاصل کر لی تھی[14]۔ ان تہواروں میں سب سے نمایاں تہوار پرسنا کے نام سے موسوم ہے۔ یہ تہوار بھادرا پاوا (اگست۔ ستمبر) کے مہینے میں منایا جاتا ہے۔ جین مت کے بعض فرقوں میں یہ تہوار آٹھ دن تک اور بعض میں دس دن تک جاری رہتا ہے۔ اس تہوار کا چوتھا دن مہاویر کا یوم پیدایش ہے۔ اس تہوار کے موقع پر عام لوگ زاہدوں کے طرز پر روزے رکھتے،

۱۰؎ A Hand Book of Living Religions by John R Hinnells, Under Jainism Pg 266.

۱۱؎ Encyclopedia Britannica Under Fasting.

۱۲؎ جیسے ہمارے عید الفطر کے تہوار سے پہلے روزے رکھے جاتے ہیں۔

۱۳؎ Encyclopedia of Religion Under Fasting.

۱۴؎ A Hand Book of Living Religions by John R Hinnells (Under Jainism Pg 271.

ریاضتوں کی سختیاں جھیلتے اور خانقاہوں میں اپنے مذہبی پیشواؤں کے ساتھ روحانی ترقی کی خاطر وقت گزارتے ہیں[15]۔ وہ اس موقع پر اپنے پچھلے گناہوں کی معافی مانگتے اور توبہ کرتے ہیں[16]۔

جینیوں کے ہاں یہ رواج بھی ہے کہ ان کی لڑکیاں شادی سے پہلے روزے رکھتی اور قوتِ اعلیٰ سے یہ درخواست کرتی ہیں کہ وہ اچھے شوہر کے انتخاب اور خوش گوار زندگی کے حصول میں ان کی مدد کرے[17]۔

اس سب کچھ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جینیوں کے ہاں بھی روزہ ایک بہت معروف چیز ہے اور وہ اسے ایک اہم مذہبی عمل کے طور پر اختیار کیے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد ہم ہندوستان میں موجود پارسی مذہب کی طرف آتے ہیں۔ اور روزوں کے حوالے سے اس کے نظریات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ پارسی مذہب کا مختصر تعارف یہ ہے کہ اس کے بانی زرتشت تھے۔ اس کی ابتدا چھٹی صدی قبل مسیح، ایران میں ہوئی۔ جب مسلمانوں نے ایران فتح کرلیا تو اس کے بعد پارسی ہندوستان ہجرت کر گئے۔

قدیم پارسی مذہب میں اگرچہ کبھی کبھار روزہ رکھا جاتا ہے، لیکن عام طور پر روزہ رکھنا پسند نہیں کیا جاتا۔ اس مذہب کے پیروؤں کا خیال ہے کہ روح کی ترقی کے لیے جسم کو روزے کی مشقتوں میں ڈالنا درست نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارا روزہ یہ ہے کہ ہم اپنی زبان، آنکھوں، کانوں اور ہاتھوں سے کوئی گناہ نہ سرزد ہونے دیں۔ دوسرے مذاہب میں جو روزہ نہ کھانے پینے سے ہوتا ہے ہمارے ہاں وہ روزہ گناہ نہ کرنے سے ہوتا ہے[18]۔

مولانا سید سلیمان ندوی ''سیرت النبی'' میں پارسیوں کے ہاں روزے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''پارسی مذہب میں گو عام پیروؤں پر روزہ فرض نہیں لیکن ان کی الہامی کتاب کی ایک آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ روزہ کا حکم ان کے ہاں موجود تھا۔ خصوصاً مذہبی پیشواؤں کے لیے تو پنج سالہ روزہ ضروری تھا۔'' (ج ۵، ص ۲۴۲)

پارسیوں کے بارے میں ان معلومات سے پتا چلتا ہے کہ وہ ابتدا میں روزے سے نہ صرف واقف تھے بلکہ اسے ایک مذہبی عمل کے طور پر اپنائے ہوئے تھے لیکن بعد کے ادوار میں غالباً جب دوسرے مذاہب کے حوالے سے سخت

۱۴۔ A Hand Book of Living Religions by John R Hinnells (Under Jainism Pg 271.

۱۵۔ A Hand Book of Living Religions by John R Hinnells (Under Jainism Pg 271.

۱۶۔ Man's Religious David Noss & John B Noss, The religion of India Pg 120.

۱۷۔ Encyclopedia of Religion Under Fasting.

۱۸۔ Encyclopedia of Religion and Ethics Under Fasting.

روزوں کا تصور سامنے آیا تو اس کے خلاف ردعمل پیدا ہوا اوران کے ہاں روزے مفقود ہو گئے۔ ہماری اس بات کی دلیل ان کے ہاں مخالفت کے باوجود روزے کا موجود ہونا ہے۔ اگر ان کے مذہب میں اصلاً اسے برائی تصور کیا جاتا تو پھر ہم اس کی یکسر نفی پاتے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ روزے کی روح فی الواقع یہی ہے کہ آدمی گناہوں سے باز رہے اور پارسی اسی روح کو روزہ قرار دے رہے ہیں۔ یہ بات بھی اس طرف متوجہ کرتی ہے کہ روزہ ان کے ہاں کبھی اپنے پورے تصور کے ساتھ رہا ہے۔

اب ہم ہندوستان کے چوتھے مذہب، بدھ مت کا روزوں ہی کے حوالے سے مطالعہ کرتے ہیں۔ بدھ مت کا مختصر تعارف یہ ہے کہ اس کے بانی مہاتما بدھ تھے۔ اس مذہب کی ابتدا چھٹی صدی قبل مسیح کے لگ بھگ ہندوستان کے شمال مشرقی حصہ میں ہوئی۔

بدھ مت کے بھکشو (تارک الدنیا) بھی ہندوؤں اور جینیوں کی طرح کچھ خاص دنوں میں روزے رکھتے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں[19]۔ بدھ مت میں روزے کو ان تیرہ اعمال میں شمار کیا گیا ہے، جو ان کے نزدیک خوش گوار زندگی اپنانے میں مدد دیتے ہیں۔ وہ روزے کو باطن کی پاکیزگی کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ بدھ مت میں جن دس چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے ایک ممنوع اوقات میں کھانا ہے۔ ان کی تعلیم یہ ہے کہ بھکشوؤں کو ضرور کھانا چاہیے لیکن دن میں صرف ایک دفعہ، اس کے بعد وہ دن بھر کچھ نہ کھائیں۔ ان روزوں کے علاوہ ان کے ہاں بھی ہندومت کی طرح نئے چانداور پورے چاند کے دنوں میں روزہ رکھنا لازم ہے۔ مزید یہ کہ وہ ہر مہینے میں بھی چار روزے رکھتے ہیں اور روزے کی حالت میں گناہوں کا اعتراف کرتے اور توبہ کرتے ہیں۔ بدھ مت میں مذہبی پیشواؤں کو یہ ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ہر مہینے کی چودہ پندرہ اور انتیس تیس کو جزوی روزہ رکھیں۔ لیکن مخلصین ان دنوں میں جزوی نہیں[20] بلکہ مکمل روزہ رکھتے ہیں۔

تبت کے علاقے میں بدھا کے پیروؤں کے ہاں چار دن کا مسلسل روزہ رکھنے کی ایک تقریب منعقد کی جاتی ہے۔ پہلے دو دنوں میں روزے کی شرائط قدرے نرم ہوتی ہیں۔ یہ دن تیاری کے ہوتے ہیں ان میں روزہ دار بڑے اخلاص سے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے اور توبہ کرتے ہیں۔ ان دنوں میں عبادت کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور مذہبی کتابوں کا درس بھی ہوتا ہے۔ یہ اعمال رات گئے تک جاری رہتے ہیں۔ تیسرے دن روزہ سخت ہو جاتا ہے اور

۱۹؎ Encyclopedia Britannica Under Fasting.

۲۰؎ یعنی وہ روزہ جس میں بعض مخصوص چیزیں ہی ممنوع ہوتی ہیں۔

کسی کو تھوک نگلنے کی اجازت بھی نہیں ہوتی۔ عبادت اور گناہوں کا اعتراف اس روز مکمل خاموشی کی حالت میں کیا جاتا ہے۔ چوتھے دن صبح سورج طلوع ہونے تک یہ روزہ جاری رہتا ہے۔

اس کے علاوہ بدھا کے یومِ وفات سے متصل پہلے پانچ روزے رکھے جاتے ہیں۔ یہ روزے بدھ مت کے بھکشو رکھتے ہیں لیکن عوام بھی ان روزوں میں گوشت کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ یعنی وہ ایک نوعیت کے جزوی روزے رکھتے ہیں۔ ماہایانہ فرقے کے بدھوں کے ہاں یہ رواج بھی پایا جاتا ہے کہ وہ اگلے جنم میں بہتر مقام پانے کے لیے روزے رکھتے ہیں۔ بدھ مت میں روزے کی ترغیب کے ساتھ اس کے بارے میں یہ تعلیم بھی دی جاتی ہے کہ روزہ اس شخص کو پاک نہیں کرسکتا جس نے اپنے نفس پر قابو نہ پایا ہو۔

بدھ مت اگرچہ ترک دنیا کا مذہب ہے اور یہ جسم کو ایک بری چیز تصور کرتا ہے لیکن بدھا کے ہاں روزوں کی اس تعلیم کے باوجود ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ ان میں حد درجہ اشتعال کو ناگوار سمجھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے نزدیک ہر چیز میں اعتدال اختیار کرنا ہی صحت مندانہ رویہ تھا۔ چنانچہ وہ حد سے متجاوز زاہدانہ رسوم کے خلاف تھے۔ ان کے نزدیک روزوں میں بھی اعتدال ہی کا رویہ اختیار کرنا ضروری تھا[۲۱]۔

ہندوستان سے باہر نکل کر ہمالیہ کے اس پار چین کی طرف آیئے۔ چین کے کلاسیکی[۲۲] مذہب میں ہمیں روزوں کا واضح تصور ملتا ہے اس کے علاوہ کنفیوشزم[۲۳] اور تاؤازم[۲۴] جنھیں ہم مذہب واخلاق کے حوالے سے اصلاحی تحریکوں کا نام دے سکتے ہیں، ان میں بھی روزوں کو ایک گونہ اہمیت دی گئی ہے۔

چینی کلاسیکی مذہبی رسوم میں ایک رسم ''چائی'' کہلاتی ہے۔ اس رسم میں قربانی سے پہلے روزے رکھے جاتے ہیں[۲۵]۔ ان کے ہاں آباؤاجداد کی روحوں کو قربانی پیش کی جاتی ہے۔ اس قربانی سے پہلے بھی روزے رکھنے کا رواج ہے۔ ان روزوں سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ ان ارواح سے بذریعہ کشف رابطہ کریں۔ اس کشف کے حصول کے لیے وہ اپنے ذہنوں کو ان ارواح کے بارے میں مختلف خیالات سے معمور کیے رکھتے ہیں۔ یہ عمل روزے کی حالت میں کیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں آباؤاجداد کی ارواح کی عبادت بھی کی جاتی ہے۔ چنانچہ عبادت سے پہلے تیاری کے طور پر

۲۱؎ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۲۲؎ کنفیوشزم سے پہلے چین کا مذہب۔ اس میں ارواح کی عبادت کی جاتی تھی۔

۲۳؎ چھٹی صدی قبل مسیح میں کنفیوشس سے چین میں اس مذہب کی ابتدا ہوئی۔

۲۴؎ پانچویں صدی قبل مسیح میں 'LaoTzu' سے اس مذہب کی ابتدا ہوئی۔ اس کا علاقہ بھی چین ہی تھا۔

۲۵؎ Encyclopedia of Religion, Under Fasting.

سات دن روزے رکھے جاتے اور شب بیداری کی جاتی ہے[26]۔

اس کے علاوہ چینیوں کے ہاں ماتمی روزوں کا تصور بھی ملتا ہے۔ یہ روزے مرنے والے آدمی کے رشتے دار رکھتے ہیں۔ جتنا ان کا مرنے والے شخص سے قریبی رشتہ ہوتا ہے، اتنا ہی روزے میں سختی کرتے ہیں۔ اس روزے میں عموماً ان کھانوں سے پرہیز کیا جاتا ہے جو روح کو نذرانے کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں[27]۔

چین میں کنفیوشزم کے پیروکار بھی ان دنوں میں روزے رکھتے ہیں جن میں آباؤاجداد کی ارواح کی عبادت کی جاتی ہے[28]۔ تاؤازم میں جسمانی روزوں کے بجائے روحانی روزوں کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے، اسے ان لوگوں نے دل کے روزے کا نام دے رکھا ہے، البتہ الہام پانے کے لیے ان کے ہاں جسمانی روزوں کا اہتمام بھی پایا جاتا ہے۔ ان روزوں کے ذریعے سے وہ ایسی یکسوئی حاصل کرتے ہیں جس کے نتیجے میں آدمی اپنے بارے میں سب کچھ بھول جاتا ہے۔ جب آدمی اس کیفیت کو پالیتا ہے تو ان کے خیال میں وہ شخص خدائی پیغام وصول کرنے کے لیے بالکل تیار ہو جاتا ہے[29]۔

ان مذاہب کے علاوہ دنیا کے بہت سے علاقوں میں بعض چھوٹے مذاہب بھی رائج ہیں۔ جو ان علاقوں ہی تک محدود ہیں۔ انھیں ہم علاقائی مذہب کہہ سکتے ہیں۔ اب ہم ان کی طرف آتے ہیں۔ اس کے بعد آخر پر ان مذاہب کو دیکھیں گے جن کا الہامی ہونا تاریخی طور پر ثابت ہے۔

دیگر علاقوں کے مذاہب

قدیم جاپانی تہذیب کو دیکھیے: وہاں بھی ہمیں روزے کا تصور ملتا ہے۔ جاپان میں وفات کے موقع پر یہ رواج تھا کہ عام لوگ جزوی روزہ رکھیں گے اور سبزیوں پر مشتمل ایک بہت ہی سستی غذا کھائی جائے گی۔ والدین اپنی اولاد کی وفات پر مسلسل پچاس دن یہی خوراک استعمال کرتے تھے۔ یعنی کھانے پینے کی عام چیزوں کے حوالے سے یہ

۲۶۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۲۷۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۲۸۔ Encyclopedia of Religion, Under Fasting.

۲۹۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۳۰۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

پچاس دن پر پھیلے ہوئے جزوی روزے ہوتے تھے[30]۔

جاپان کے قریبی ملک کوریا میں بھی یہ رواج ہے کہ مرنے والے کے رشتہ دار ایک دن کا روزہ رکھتے ہیں، لیکن اس کے بیٹے اور پوتے تین دن کے روزے رکھتے ہیں[31]۔

قدیم ایران میں اگرچہ روزہ عام نہیں تھا لیکن موت کے بعد تین راتوں تک روزہ رکھا جاتا تھا۔ اس دوران میں تازہ گوشت پکایا اور کھایا نہیں جاتا تھا[32]۔

روس کے انتہائی شمالی علاقے سائبیریا میں اسکیموز کے ہاں بھی روزہ ایک خاص عبادت کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو اسکیمو نوجوان، 'Angekok' (ارواح سے تعلق قائم کرنے والا) بننا چاہتا ہے وہ دنیوی کاموں سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے اور اس وقت تک روزے رکھتا ہے جب تک اسے ارواح اپنے پاس آتی ہوئی دکھائی نہ دیں[33]۔

برازیل (جنوبی امریکہ) میں وہ لوگ جو 'Paje' (عالم اور استاد) بننے کی خواہش رکھتے انھیں دو سال تک تنہائی میں رہ کر روزے رکھنے پڑتے ہیں۔ بعد ازاں انھیں 'Paje' مان لیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے ہاں فنِ طب سیکھنے کے لیے بھی بہت سخت روزے رکھوائے جاتے ہیں جن روزوں کے نتیجے میں طالب علم کو بہت واضح خواب دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اس ریاضت کو وہ فنِ طب کا ایک ضروری حصہ سمجھتے ہیں۔ جو لوگ روحوں سے گفتگو کرنے خواہش مند ہوتے ہیں انھیں بھی ایک لمبے عرصے کے لیے سخت روزے رکھوائے جاتے ہیں۔

ابی پونز (Abipones) کے علاقے میں 'Kecbit' بننے کے خواہش مند حضرت کو روزے کی حالت میں کسی جھیل کے کنارے ایک ایسے درخت پر بیٹھنے کے لیے کہا جاتا ہے جس کی شاخ پانی کے اوپر جھکی ہو۔ وہ آدمی وہاں بیٹھا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ مستقبل میں جھانکنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ زولس قبیلے میں روحوں کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے بھی روزے رکھتے جاتے ہیں۔

ایسی مشقیں کرنے والے عجیب وغریب خواب دیکھتے ہیں اور یہ خواب ان کی زندگی کو اس طرح گھیر لیتے ہیں کہ وہ ان خوابوں ہی کی آماج گاہ بن جاتی ہے[34]۔

۳۱۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۳۲۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۳۳۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۳۴۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

براعظم آسٹریلیا میں جو قبائل آباد ہیں ان میں سے بعض کے نزدیک عظیم قوتوں یعنی دیوتاؤں سے اجر حاصل کرنے کے لیے روزہ پسندیدہ عمل ہے۔ وسطی آسٹریلوی قبائل میں دیوتاؤں سے مدد اور پیداوار میں برکت کے لیے روزہ رکھا جاتا ہے[۳۵]۔ نیو ساؤتھ ویلز کے قبائل میں ''بورا'' نامی ایک تقریب منعقد کی جاتی ہے جس میں نو عمر لڑکوں کو روزہ رکھوایا جاتا ہے۔ یہ روزہ دو دن پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس میں خوراک تو ممنوع ہوتی ہے لیکن تھوڑا بہت پانی پینے کی اجازت ہوتی ہے۔ ان کے ہاں اس روزے کا مقصد لڑکوں کی اخلاقی اور معاشرتی تربیت ہے[۳۶]۔

متعدد افریقی قبائل کے ہاں بھی روزہ موجود ہے۔ یہ قبائل عموماً اموات پر روزہ رکھتے ہیں۔ یوروبا قبیلے میں بیوہ اور اس کی بیٹی کو چوبیس گھنٹوں کے لیے کمرے میں بند کر دیا جاتا ہے اور ان کا کھانا پینا روک دیا جاتا ہے۔ گویا انھیں جبراً روزہ رکھوایا جاتا ہے۔ گولڈ کوسٹ کے قبائل میں موت کے طویل عرصہ تک سخت روزے رکھے جاتے ہیں۔ جنوبی افریقہ کے زولو قبیلے کے لوگ خدائی الہام پانے کے لیے روزے رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ روزے کئی دنوں پر محیط ہوتے ہیں[۳۷]۔

افریقہ سے نکل کر یورپ کے علاقوں میں چلے آئیے تو یہاں بھی روزوں کا تصور پوری شان سے پایا جاتا ہے۔

رومی تہذیب کے بعض مذاہب کو 'Mystery Religions' میں شمار کیا جاتا ہے، انھیں ماننے والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دیوی دیوتاؤں کی قربت حاصل کرنے یا ان سے دانائی پانے کے لیے روزے کا عمل بہت معاون ثابت ہوتا ہے۔ ان مذاہب میں داخل ہونے والا جب اس کے اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر اس کے لیے روزے رکھنے ضروری ہیں[۳۸]۔ سیرس کی رومی مذہبی رسول میں بھی روزے کا وجود پایا جاتا ہے۔ ان کے ہاں ۲۴ مارچ کو ایک روزہ رکھا جاتا اور اس سے اگلے دن ایک عظیم تہوار منایا جاتا ہے[۳۹]۔

قدیم رومیوں میں بادشاہ اور سلاطین خود بھی روزے رکھتے تھے۔ ویسپاسین (Vespasian)، آگسٹس (Augustus)، جیولیس قیصر (Julius Casear)، نیوما پانپلیس (Numa Pounpiplius)، ان سب

۳۵۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۳۶۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۳۷۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۳۸۔ Encyclopedia of Religion, Under Fasting.

۳۹۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

شاہانِ روم کے روزوں کے دن مقرر تھے۔ 'Julius the apostate' تو روزے کا اتنا پابند تھا کہ اس نے مذہبی پیشواؤں کو بھی مات دے دی تھی۔[40]

قدیم یونان علم وفلسفہ کا گھر تھا۔ یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ روزہ ایک مذہبی عمل کے طور پر پایا جاتا ہے۔ رومیوں کی طرح یونانیوں میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جن کا مذہب 'Mystry Religions' میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دیوی دیوتاؤں کی قربت حاصل کرنے اوران سے بصیرت پانے کے لیے روزہ ایک اچھا معاون ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ مذہب کے اسرار ورموز جاننے کے لیے تمام غذاؤں یا کچھ غذاؤں اور مشروبات سے پرہیز کرنا پڑتا ہے۔[41]

قدیم یونانیوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ وہ قربانی سے قبل روزہ رکھا کرتے۔ اسی طرح وفات پر روزے رکھنے کا رواج بھی ان کے ہاں پایا جاتا تھا۔ وہ عبادت اور توبہ کے لیے بھی روزے رکھتے تھے۔ اکارا کا غار، جس کے اندر پائے جانے والے بخارات میں طبی فوائد پائے جاتے ہیں، اسے انھوں نے 'دارالاستخارہ' کا نام دے رکھا تھا۔ کہ القا پانے کی اس جگہ پر روزے رکھنے سے آدمی کو الہامی مشاہدات ہوتے ہیں۔[42]

فیثا غورثی مکتبِ فکر میں روزہ، تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کرنے کی ایک شکل تھی۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ابتداً انسانیت کامل تھی۔ گناہ کی آمیزش سے اس کی یہ پرہیز گاری باقی نہ رہی۔ اب روزے رکھنے اور دوسری زاہدانہ ریاضتیں کرنے سے اس کی وہ پہلی پرہیز گاری بحال ہوسکتی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ روزہ وہ وجدانی کیفیت لاتا ہے جس میں روزہ دار پر حقائق منکشف ہوتے ہیں۔[43] چنانچہ یہ اس کے بعد ہی ممکن ہوگا کہ وہ خدائی قوتوں سے رابطہ کرے اور ان کا قرب حاصل کرے۔

فیثا غورث کا اپنا طریقہ یہ تھا کہ وہ مسلسل چالیس روزے رکھا کرتا۔[44] غرض یونانیوں میں بھی دوسری اقوام کی طرح روزہ ایک اہم مذہبی عمل کی صورت میں پایا جاتا تھا۔

۴۰؎ Theological Dictionary By Rev. Charlus Buck, Under Fasting.

۴۱؎ Encyclopedia of Religion , Under Fasting.

۴۲؎ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۴۳؎ Encyclopedia of Religion , Under Fasting.

۴۴؎ Theological Dictionary By Rev. Charlus Buck, Under Fasting.

یونان کے بعد قدیم مصری تہذیب کو دیکھیے۔ مصر میں گناہوں سے توبہ کرنے اور خدا کے عذاب سے بچنے کے لیے روزے رکھے جاتے تھے۔ توبہ کے ان روزوں کے لیے باقاعدہ دن مقرر کیے گئے تھے۔ ان روزوں کے دوران میں ہر طرح کی آسایش ممنوع تھی اور خواہشات کو پورا کرنے والی چیزوں کا استعمال بھی ناجائز تھا۔

مصریوں کے ہاں وفات پر روزے رکھنے کا رواج بھی پایا جاتا تھا۔ چنانچہ بادشاہوں کی وفات پر عوام روزہ رکھا کرتے تھے۔

قربانی سے قبل روزہ رکھنے کا رواج بھی ان کے ہاں پایا جاتا تھا۔ وہ اپنی قربانی سے قبل بعض اوقات چھ چھ ہفتوں تک کے روزے رکھتے تھے[۴۵]۔ آئسز (Isis) دیوی کے رازوں کو جاننے والے کے لیے بھی خاص طرح کے روزے ضروری تھے[۴۶]۔

امریکن انڈین جنھیں امریکہ کے قدیم اور اصل باشندے سمجھا جاتا ہے ان کے مختلف قبائل کو دیکھیے، روزہ آپ کو وہاں بھی ملے گا۔

ان قبائل میں یہ عقیدہ راسخ تھا کہ روحِ اکبر (Great Spirit) سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے روزہ بہت موثر ذریعہ ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے کسی بہادر آدمی کو روزہ رکھوا کر اجاڑ بیابان میں تنہا بھیج دیا جاتا، وہ وہیں رہتا حتیٰ کہ خواب یا کشف میں اس پر آسمانی حکمت کا نزول ہوتا اور محافظ روح (Guardian Spirit) کی جانب سے اسے اس کے مستقبل کے بارے میں ضروری رہنمائی مل جاتی۔ چنانچہ جب 'Lokata' قبیلے کے لوگوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کے سامنے خدا سے ملاقات کے لیے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو انھوں نے کہا کہ آپ لوگ روزے کی حالت میں خدا کا مسلسل ذکر کرتے ہوئے بیابانوں میں پھریں۔ اس طرح سے آپ اپنا مقصود پالیں گے۔

قدیم امریکن انڈین تہذیب میں جو شخص مذہبی عالم بننے کا قصد کرتا اس کی تربیت کا ایک اہم عنصر روزہ ہوتا تھا[۴۷]۔ اس کے علاوہ لڑکوں کو نو سال کی مذہبی تربیت دی جاتی جس میں انھیں سخت روزے رکھوائے جاتے تھے۔

ان کے ہاں خوابوں کے ذریعے سے روحوں کے پیغامات اور علمِ غیب حاصل کرنے کے لیے بھی روزے رکھے جاتے تھے۔ شکاری شکار کے لیے نکلنے سے پہلے روزے رکھتا۔ ان روزوں کے دوران میں جب اسے اپنی مہم کی

۴۵۔ Theological Dictionary By Rev. Charlus Buck, Under Fasting.

۴۶۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۴۷۔ Encyclopedia of Religion, Under Fasting.

کامیابی کے بارے میں خواب آجاتا تو وہ شکار پر روانہ ہوتا۔ شوہر اس وقت تک روزے رکھتا چلا جاتا جب تک اسے باپ بننے کی خواہش پوری ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں خواب دکھائی نہ دیتا۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ آدمی کا روزہ جتنا سخت ہوگا اتنے ہی واضح خواب دکھائی دیں گے۔ چنانچہ ایسے شخص کو جو سخت روزوں کی بنا پر واضح خواب دیکھتا بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا[۴۸]۔

ان کے ہاں مختلف مقاصد کے حصول کے لیے بھی روزے رکھے جاتے۔ مثلاً وہ جسمانی قوت میں اضافے، مچھلی کے شکار اور جنگ میں کامیابی کی خاطر روزے رکھتے تھے[۴۹]۔

ان کے ہاں یہ عقیدہ بھی پایا جاتا تھا کہ سخت روزے رکھنے سے خدا کو اس پر مجبور کیا جا سکتا ہے وہ ہماری مرادیں پوری کرے۔ چنانچہ ان کے ہاں یہ رواج تھا کہ وہ سات روز تک کچھ نہ کھاتے پیتے، بستر پر لیٹے رہتے اور اس دوران میں سخت ضبطِ نفس کا مظاہرہ کرتے۔

کولمبیا کے انڈین قبائل کو جب خدا کی مدد درکار ہوتی تو وہ کئی روز تک روزے کی حالت میں رہ کر خدا سے معافی مانگتے اور مدد کی درخواست کرتے۔

برٹش کولمبیا (شمالی امریکہ) میں یہ رواج ہے کہ لوگ جنازے کے موقع پر ہونے والے کھانے کے بعد چار دن کے لیے روزے رکھتے ہیں[۵۰]۔

میکسیکو کے باشندوں میں بھی توبہ کرنے اور قلب (باطن) کو پاک کرنے کے لیے روزے رکھے جاتے تھے۔ مختلف مواقع پر ان کی مدت مختلف ہوتی۔ یعنی ایک دن کا روزہ بھی ہوتا اور کئی کئی دنوں کے روزے بھی ہوتے تھے۔ یہ روزے قبیلے کا کبھی کوئی ایک فرد رکھتا اور کبھی پورا قبیلہ روزہ رکھتا تھا۔ قوم پر نازل ہونے والی آفات سے بچنے کے لیے بڑا مذہبی پیشوا روزہ رکھ کر تنہائی میں لیٹ جاتا، کئی دیگر سختیاں، جھیلتا اور خدا سے دعائیں کرتا رہتا[۵۱]۔

'Cherokee Indeans' کا یہ عقیدہ تھا کہ عقاب کا شکار کرنے سے پہلے ایک طویل عرصے تک روزہ اور دعا

۴۸۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۴۹۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۵۰۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۵۱۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۵۲۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

ضروری ہے، کیونکہ روزے سے جسم گناہوں سے پاک ہو کر مقابلے کے لیے تیار ہو جاتا ہے[52]۔

بحرالکاہل کے جنوب مغربی حصے میں کئی جزیرے پائے جاتے ہیں۔جن میں نیوگنی، فیجی اور سالمن شامل ہیں۔ہم دیکھتے ہیں کہ روزہ یہاں بھی موجود ہے۔

نیوگنی کے قبائل میں جزوی روزے رکھنے کے لیے کھانے کی متعدد اشیا سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ان کے ہاں روزے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے پسند کی چیزیں کچھ عرصہ کے لیے ترک کر دیتا ہے۔رورو (Roro) زبان بولنے والے قبائل میں 'Seclusion Period' کے اختتام پر ایک دن کا روزہ رکھنے کا طریقہ عام رائج ہے۔جنوبی ماسم میں بیوہ ان سب کھانوں سے اجتناب کرتی ہے جو اس کے خاوند نے مرض الموت میں کھائے تھے۔فیجی (Fiji) میں دس بیس دن کے روزے رکھے جاتے ہیں۔ان کے ہاں عقاب ایک مقدس پرندہ مانا جاتا ہے۔چنانچہ اس کا شکار کرنے سے قبل شکاری ایک طویل عرصے تک روزے رکھتا اور دعائیں کرتا ہے۔ 'Teligintis' قبیلے کے لوگ دوسرے جنم پر یقین رکھتے ہیں۔چنانچہ ان کے ہاں یہ رواج ہے کہ بعض اموات پر لڑکیاں اس لیے روزے رکھتی ہیں کہ یہ روح دوبارہ ان کے ذریعے سے جنم لے[53]۔

بابل اور نینوا کی تہذیب قدیم تہذیبوں میں سے تھیں۔ یہاں آشوری قوم آباد تھی۔ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کی بعثت ہوئی تھی۔آشوریوں کے ہاں بھی ہمیں روزے کا رواج ملتا ہے۔یہ لوگ روزے کو خدا کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔بابل میں گناہوں کے کفارے سے متعلق جو اصول وقوانین ہمیں ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں روزہ کفارے کی ایک رسمی شکل کی حیثیت رکھتا تھا۔چنانچہ توبہ کرنے والا اپنے گناہ پر افسوس و ندامت کے اظہار کے ساتھ روزے کی حالت میں کھانا نہ کھانے اور پانی نہ پینے کا ذکر کیا کرتا تھا۔یہ لوگ آلام و آفات کے دنوں میں بھی روزے رکھا کرتے تھے[54]۔

یونس علیہ السلام نینوا میں آشوریوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ان لوگوں نے پہلے ان کی تکذیب کی لیکن بعد میں ایمان لے آئے تو اس موقع پر انھوں نے جو توبہ کی تھی، تورات میں اسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

> ''نینوا کے باشندے خدا پر ایمان لائے اور روزے کا اعلان کر کے سب کے سب کیا اعلیٰ کیا ادنیٰ ٹاٹ سے ملبس ہوئے اور یہ بات شاہِ نینوا کو بھی پہنچ گئی تو اس نے تخت سے اٹھ کر شاہی لباس اتار ڈالا اور ٹاٹ اوڑھ کر راکھ پر بیٹھ

۵۳۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۵۴۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

گیا اور فرمان صادر کیا کہ ''بادشاہ اور ارکان دولت کے حکم سے نینوا میں یہ اعلان ہو کہ کوئی انسان یا حیوان یا گائے بیل یا بھیڑ بکری نہ کچھ چکھے نہ کھائے اور نہ پانی پیے۔ علاوہ اس کے انسان وحیوان ٹاٹ اوڑھیں اور خداوند کے حضور گریہ زاری کریں اور ہر ایک اپنی بری پرورش اور اپنے ہاتھ کے ظلم سے توبہ کرے۔'' (کتابِ یونس،)

یہودیت

ابراہیم علیہ السلام کی جونسل ان کے پوتے یعقوب علیہ السلام سے آگے چلی وہ بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ بنی اسرائیل میں آج سے تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پہلے موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے بنی اسرائیل کو اپنی شریعت سے نوازا۔ موسیٰ علیہ السلام خدا سے ملاقات کے لیے کوہِ طور پر گئے تو وہاں انھوں نے چالیس دن کا روزہ رکھا تھا۔ تورات میں موسیٰ علیہ السلام کے اس روزے کا ذکر اس طرح سے آیا ہے:

''اور موسیٰ خداوند کے پاس چالیس دن اور چالیس رات رہا۔ نہ روٹی کھائی اور نہ پانی پیا۔ اور اس نے عہد کا کلام، دس احکام دو لوحوں پر لکھے۔'' (خروج باب ۳۴، آیات ۲۸)

تورات میں یہودیوں پر عاشورے کے روزے کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

''یہ تمھارے لیے ابدی فرض ہو گا کہ ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو تم میں سے ہر ایک، کیا دیسی کیا پردیسی، نفس کشی کرے (روزہ رکھے) اور کوئی کام نہ کرو۔ کیونکہ اس روز تمھاری پاکیزگی کے لیے تمھارے واسطے کفارہ دیا جائے گا۔ تب تم اپنے سارے گناہوں سے خداوند کے آگے پاک ہو جاؤ گے۔ یہ تمھارے لیے تعطیل کا سبت ہو گا۔ اس دن تم نفس کشی کرو (روزہ رکھنا) یہ ابدی فرض ہو گا۔'' (الاحبار باب ۱۶، آیت ۲۹۔۳۱)

بعض یہودیوں کے ہاں سال نیسان سے شروع ہوتا ہے اور بعض کے ہاں تشری مہینے سے۔ عاشورہ کا یہ روزہ اس تشری مہینے کی دس تاریخ کو رکھا جاتا ہے۔ یہ ستمبر کے آخری ایام بنتے ہیں۔ یہ روزہ غروبِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور تقریباً ۲۶ گھنٹے اگلے روز رات کے شروع ہونے تک رہتا ہے۔ اس روزے کے دوران میں کھانے پینے اور میاں بیوی کے درمیان جنسی تعلق سے مکمل پرہیز کیا جاتا ہے۔ چمڑے کے جوتے جو آرام اور آسایش کی علامت ہیں، ان کا پہننا بھی اس روزے میں ممنوع ہے۔ یہودی اپنا وقت صومعہ میں گزارتے ہیں اور دن کے آخر پر خاص کر خدا سے توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ روزے کے دوران خمسہ موسیٰ، یونس کی کتاب اور دیگر احوال و واقعات پڑھے جاتے ہیں[۵۵]۔

۵۵؎ A Hand Book of Religions, Under Judaism

یہودیوں پر موسوی شریعت میں فرض روزہ صرف ایک ہی تھا، یعنی کفارے کا روزہ، جس کا اوپر ذکر آ گیا ہے۔ لیکن بنی اسرائیل میں پے در پے نبی آتے رہے ہیں۔ انھوں نے کئی روزے خود بھی رکھے اور عوام کو بھی ان کی ترغیب دی۔ چنانچہ یہودیوں کے ہاں یومِ کفارہ کے روزے کے علاوہ ہم بہت سے دوسرے روزے بھی دیکھتے ہیں۔ مثلاً زکریا علیہ السلام یوں فرماتے ہیں:

''اور میں نے رب الافواج کا کلمہ پایا۔ اس نے کہا کہ رب الافواج یوں فرماتا ہے: چوتھے مہینے کا روزہ اور پانچویں کا روزہ اور ساتویں کا روزہ اور دسویں کا روزہ یہوداہ کے گھرانے کے لیے خوشی اور خرمی کا موقع اور شادمانی کی عید ہوگا۔ تم فقط سچائی اور سلامتی کو عزیز جانو۔'' (زکریا باب ۸، آیت ۱۸۔۱۹)

تورات میں یہ ان روزوں کا ذکر ہے جو بابل کی اسیری کے دوران میں مقرر کیے گئے تھے۔ یہود پر ٹوٹنے والی مصیبتوں کی یاد میں وقت کے ساتھ ان روزوں میں اور بھی بہت سے روزے شامل ہو گئے۔ لیکن چونکہ یہ روزے نفلی تھے لہٰذا انھیں مقبولیتِ عام حاصل نہیں ہو سکی[۵۶]۔

یہودیوں کے ہاں وبا، قحط اور مصیبت کے موقع پر بھی روزہ رکھنے کا رواج ہے۔ مثلاً جب خزاں کی بارشیں بروقت شروع نہ ہوتیں اور فصلیں خراب ہونے کا خدشہ ہو جاتا تو فلسطین کے حکمران عوام کو روزہ رکھنے کی تاکید کرتے تھے[۵۷]۔

اس کے علاوہ یہود میں اپنے بڑے لوگوں کے یومِ وفات پر روزہ رکھنے کا رواج بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً آذار کے مہینے کی سات تاریخ کو موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ یہودی اس دن روزہ رکھتے ہیں[۵۸]۔ اسی طرح نیسان مہینے کی چوبیس، ایار کی دسویں، سیواں کی پچیسویں اور آب کی پہلی تاریخوں میں یہود کے بڑے مذہبی پیشواؤں کا انتقال ہوا تھا۔ چنانچہ ان سب دنوں میں روزے رکھنے کا رواج ہے، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مذہبی پیشواؤں کے یومِ وفات پر روزے رکھے گئے ہیں۔ اسی طرح ان کے ہاں اہم حوادث وواقعات کے دنوں میں روزے رکھے جاتے ہیں[۵۹]۔

---

۵۶ The Jewish Encyclopedia, Under Fast and Fastdays.

۵۷ Judaism in First Centuries Era, Vol. 2 Under Public Fast.

۵۸ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

۵۹ The Jewish Encyclopedia, Under Fast and Fastdays.

۶۰ Judaism in First Centuries Era, Vol. 2 Under Public Fast.

یہود میں اس سب کے علاوہ بعض دوسرے نفلی روزے رکھنے کا بھی رواج ہے۔ مثلاً تہواروں کے موقع پر ہونے والے ہنگامے کی تلافی کے لیے بعض نیک یہودی روزہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح نئے سال اور کفارے کے دن تک کے درمیانی نو دنوں میں سے اکثر میں وہ روزہ رکھتے ہیں۔ لیکن کفارے سے ایک دن قبل کا روزہ رکھنے کی ممانعت ہے[٦٠]۔

بائیبل میں روزہ کی ترغیب ان الفاظ میں دی گئی ہے۔ یوایل نبی فرماتے ہیں:

> ''یقیناً خداوند کا دن عظیم نہایت ہول ناک ہے۔ کون اس کی برداشت کر سکے گا۔ لیکن اب بھی خداوند کا فرمان ہے روزہ رکھ کر گریہ وزاری کرتے ہوئے اپنے سارے دل سے میری طرف رجوع لاؤ، اپنے کپڑوں کو نہیں بلکہ دلوں کو چاک کر کے خداوند اپنے خدا کی طرف متوجہ ہو کیونکہ وہ رحیم اور مہربان ہے۔ وہ طویل الصبر اور نہایت شفیق ہے۔'' (یوایل باب ۲، آیت ۱۱۔۱۳)

روزوں کے حوالے سے تورات کی اسی تعلیم کا عکس ہم بعض یہودی گروہوں میں دیکھتے ہیں۔ فیلو جوڈیس کے مطابق یہودی مفکرین کا ایک گروہ اپنی روحوں کو گناہوں سے پاک کرنے کے لیے روزے رکھتا تھا تاکہ یہ لوگ اپنے آپ کو مطالعہ اور تحقیق جیسی روحانی سرگرمیوں کی طرف بہتر طور پر مائل کر سکیں۔ اسی طرح 'Essences' نامی یہودیوں کا وہ گروہ جو اپنے پارسا استاد کے نقشِ قدم پر بیابانوں کی طرف چلا گیا تھا اس کی کتاب "Manual of Dscipline" میں گناہوں سے پاکیزگی اور یومِ آخرت کی تیاری کے لیے روزے پر زور دیا گیا ہے[٦١]۔

مسیحیت

یہود کے بعد اب نصاریٰ کو دیکھیے تو یہاں بھی ہمیں روزے کا وجود پوری شان سے ملتا ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر چالیس دن کا روزہ رکھا تھا۔ متی کی انجیل بتاتی ہے کہ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام نے بھی چالیس دن رات کا روزہ رکھا تھا۔

متی میں لکھا ہے:

> ''اور جب وہ چالیس دن اور چالیس رات روزہ رکھ چکا، آخر کار بھوکا ہوا۔'' (متی باب ۴، آیت ۲)

عیسیٰ علیہ السلام نے روزے کے بارے میں اپنے حواریوں کو یہ ہدایت دی ہے:۔

> ''اور جب تم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی مانند اپنا چہرہ اداس نہ بناؤ کیونکہ وہ منہ بگاڑتے ہیں تاکہ لوگ انھیں روزہ

٦١۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

دار جانیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے۔لیکن جب تو روزہ رکھے، سر پر تیل لگا اور منہ دھو تا کہ آدمی نہیں بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے، تجھے روزہ دار جانے اور تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔'' (متی باب ۶، آیت ۱۶۔۱۸)

ایک موقع پر جب حواری ایک بدروح نہ نکال سکے تو انھوں نے پوچھا:

''اس کے شاگردوں نے پوشیدگی میں اس سے پوچھا کہ ہم اسے کیوں نہ نکال سکے۔اس نے ان سے کہا کہ یہ جنس سوائے دعا اور روزہ کے کسی طرح سے نہیں نکل سکتی۔'' (مرقس باب ۹، آیت ۲۷۔۲۸)

عیسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کیا گیا کہ تمھارے شاگرد روزہ کیوں نہیں رکھتے تو اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا:

''اور یوحنا کے شاگرد اور فریسی روزہ سے تھے۔انھوں نے آکر اس سے کہا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ یوحنا کے شاگرد اور فریسیوں کے شاگرد تو روزہ رکھتے ہیں لیکن تیرے شاگرد روزہ نہیں رکھتے۔یسوع نے ان سے کہا کہ کیا براتی جب تک کہ دولہا ان کے ساتھ ہے، روزہ رکھ سکتے ہیں؟ جب تک کہ وہ دولہا کے ساتھ ہیں وہ روزہ نہیں رکھ سکتے۔لیکن وہ دن آئیں گے جب دولہا ان سے جدا کیا جائے گا۔اس وقت وہ روزہ رکھیں گے۔'' (مرقس باب ۲، آیت ۱۸۔۲۰)

روزے کے حوالے سے یہ وہ تعلیم تھی جو عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں نے ابتداً پائی۔اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ مسیحیت میں روزے کو جو اہمیت ملی ہے وہ شاید کسی دوسری قوم میں نہیں ملی۔پہلی اور دوسری صدی میں مسیحیوں کے ہاں روزے کا شمار ان متعدد رسوم میں عملاً ہونے لگا تھا جن کا مقصد تقویٰ اور پرہیزگاری کا حصول تھا۔بعدازاں اس پر ازمنۂ وسطی (Middle Age) تک عمل ہوتا رہا۔'Asectics movements' کے عروج کے زمانے میں جب یونانی عقیدہ ثنویت بھی ان کے فکری سانچے میں ڈھلنے لگا تو اس وقت انسان کو مادی خوشیوں اور دنیوی مال و متاع سے بچا کر نیکی کی راہ پر چلانے کے لیے اور عیسیٰ علیہ السلام کی محبت کے حصول اور ان کی تعلیمات کی پیروی کے لیے روزے کو بہت مفید سمجھا گیا اور اسے ان مقاصد کے لیے ایک اہم ذریعے کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

مسیحیت کے بعض گروہوں میں روزہ مقصدِ حیات تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہونے کے بجائے خود مقصدِ حیات بنا دیا گیا تھا۔اس روش کو اعتدال پر لانے کے لیے بیشتر راہبانہ کتابوں میں راہبوں کو ضرورت سے زیادہ روزے رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

۶۲؎ Encyclopedia of Religion and Ethics, Under Fasting.

آج کل مسیحیوں کے مختلف فرقے روزے کے بارے میں مختلف نقطۂ نظر کے حامل ہیں اوراس پر عمل کا طریقہ بھی ان کے ہاں مختلف ہے۔ پروٹسٹنٹ فرقے میں سوائے ان ایک دو گروہوں کے جن کا رجحان عمل سے زیادہ ایمان کی طرف ہے، روزے کوانسان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ رومن کیتھولک اور آرتھوڈاکس تحریک کے گرجوں میں اگرچہ انفرادی اور اجتماعی مذہبی رسوم کے ضمن میں روزے پر بہت زور دیا گیا ہے لیکن عملی طور پر روزے کی سخت رسوم کو خیر باد کہہ دیا گیا۔ رومن کیتھولک کے ہاں 'Good Friday' اور 'Ash Wednesday' کے موقعوں پر جزوی روزے رکھنے کا رجحان اب بھی پایا جاتا ہے[۶۲]۔

بدھ اور جمعہ کے ان روزوں کا پس منظر یہ ہے کہ مسیحی روایات کے مطابق بدھ کے دن صبح عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا گیا تھا اور جمعے کے دن سولی پر لٹکایا گیا تھا۔

مسیحیوں کے ہاں اور روزے بھی پائے جاتے تھے۔ مثلاً ایسٹر سے قبل وہ چالیس دنوں کے روزے رکھتے تھے۔ بہار کے موسم میں اچھی فصل کے لیے بھی روزے رکھے جاتے تھے۔ چاروں موسموں میں 'Ember' کے نام سے دعا اور روزے مخصوص کیے گئے تھے۔ اسی طرح فرد یا قوم کی زندگی کے اہم مواقع، بپتسمہ، پادریوں کا تقرر، سر کا خطاب اور مقدس عشائے ربانی کو منانے کے لیے روزے رکھنے کا رجحان بھی ان میں پایا جاتا تھا۔

عربوں کا دورِ جاہلی

اب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اہلِ عرب کو دیکھتے ہیں۔ ان کے ہاں بھی روزے کا واضح تصور ہمیں ملتا ہے۔

''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' میں ''صوم'' کے تحت مضمون نگار لکھتا ہے:

''عربوں سے متعلق روایات میں یہ ہے کہ قریش یومِ عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ اس دن وہ جمع ہوتے، عید مناتے اور کعبہ کو غلاف پہناتے تھے۔ اس روزے کی توجیہ انھوں نے یہ بیان کی ہے کہ قریش اپنے دورِ جاہلیت میں کوئی بڑا گناہ کر بیٹھے تھے۔ اس گناہ کا انھوں نے بڑا بوجھ محسوس کیا تو انھوں نے اس گناہ کا کفارہ دینے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے لیے یومِ عاشورہ کا روزہ مقرر کیا۔ وہ اس دن یہ روزہ اس بات پر شکرانے کے طور پر رکھتے تھے کہ خدا نے ان کو اس گناہ کے نتائجِ بد سے بچا لیا۔ یہ بات بھی روایت کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبوت سے پہلے یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔

ایک دوسری روایت میں اس روزے کی توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قریش کو ایک زمانے میں قحط نے آلیا پھر اللہ

---

[۶۳] دورِ جاہلیت میں روزہ کی حالت میں عرب بات چیت سے بھی پرہیز کرتے تھے۔

نے اس قحط سے انھیں نکال لیا تو انھوں نے خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھنا شروع کیا۔

عربوں میں روزے کے رواج ہی سے متعلق ایک واقعہ یہ روایت کیا گیا ہے کہ دورِ اسلام میں ابوبکر رضی اللہ عنہ احمس قبیلہ کی ایک عورت زینب کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ بات چیت نہیں کر رہی تو آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اسے کیا ہوا ہے، یہ بات کیوں نہیں کرتی؟ لوگوں نے بتایا کہ اس نے روزہ رکھا ہوا ہے[۶۳]۔ آپ نے اس سے کہا کہ گفتگو کرو کیونکہ یہ جائز نہیں، یہ تو دورِ جاہلیت کا عمل ہے۔ تب اس نے بات چیت شروع کر دی۔''

(ص ۳۳۸۔۳۳۹)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ عرب بھی روزے سے مانوس تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل وہ روزے رکھا کرتے تھے۔

اس تفصیلی مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ روزہ یعنی مذہبی بنیادوں پر کھانے پینے سے اجتناب ایک ایسا آفاقی عمل ہے جس سے مشرق و مغرب کی سب تہذیبیں اور سب مذہب متعارف رہے ہیں۔ کسی کے ہاں یہ جزوی شکل میں ہے اور کسی کے ہاں مکمل شکل میں۔ کوئی اس میں حدِ اعتدال سے بڑھا ہوا ہے اور اس نے عام آدمی کے لیے اسے ناممکن بنا دیا ہے اور کسی نے اسے بہت آسان بنا رکھا ہے۔ بہر حال سبھی لوگ اس مذہبی عمل سے متعارف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اس مادی دنیا میں کیا ہوا یہ عمل اپنے کچھ خاص غیر مادی اثرات رکھتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری دنیا اس پر کیسے متفق ہو گئی کہ یہ بھوکا پیاسا رہنا ایک مذہبی عمل قرار پا جائے۔ اس سوال کا جواب ہمیں مختلف مفکرین کے ہاں مختلف ملتا ہے۔

'Jewish Encyclopedia' میں ''روزہ اور روزہ کے ایام'' کے تحت مضمون نگار لکھتا ہے کہ روزے کی ابتدا کے بارے میں متضاد آرا پائی جاتی ہیں۔ کچھ تبصرہ نگار مثلاً 'Herbert Spencer' اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ روزے کا آغاز مردوں کو کھانے پینے کی چیزیں فراہم کرنے کی رسم سے پیدا ہوا ہے۔ کچھ دوسرے لوگ مثلاً 'W.R Smith' کا خیال ہے کہ یہ قربانی کا کھانا کھانے کی تیاری ہے۔ 'Smend' کے خیال میں یہ خدا کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے اس کے سامنے عاجز و منکسر بن کر پیش ہونے کی ایک مذہبی رسم ہے۔ کچھ دوسرے تبصرہ نگاروں کے خیال میں اس کا آغاز اس خواہش کے تحت ہوا کہ انسان روحانی دنیا کے ساتھ رابطہ پیدا کرے۔

لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَآ يُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ. (۲:۱۸۳)

”اے ایمان والو،تم پر بھی روزہ فرض کیا گیا،جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا تھا۔ تاکہ تقویٰ حاصل کرو۔“

یعنی روزے کا حکم سب سابقہ شریعتوں میں موجود تھا۔ یہ انسان کا اپنا عمل ہے کہ اس نے ان شریعتوں کو بگاڑ کر ان کی شکل کچھ سے کچھ بنادی۔

عقیل احمد انجم

ماہِ مبارک

اسلامی شریعت میں جو عبادات لازم کی گئی ہیں ان میں نماز اور انفاق کے بعد روزے کی عبادت ہے۔ قرآن مجید کے مطابق یہ کوئی نئی عبادت نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد شروع ہوئی بلکہ یہ قدیم ترین عبادت ہے جو امتِ مسلمہ سے پہلی امتوں پر فرض رہی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (البقرہ ۲: ۱۸۳)

''اے ایمان والو، تم پر بھی روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے والوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔''

ہم خوش نصیب ہیں کہ ایک بار پھر رحمت، مغفرت اور ایک انتہائی بابرکت رات اپنے دامن میں لیے، ایک اور مہینا ہماری زندگی میں آیا ہے۔ خدا نے ہمیں اپنا تزکیہ کرنے کے لیے ایک اور موقع عنایت کیا ہے۔ خدا نے ہمیں بے حد وحساب اجر سے نوازنے کے لیے پکارا ہے۔

یہ وہ مہینا ہے جس میں شیطانی قوتیں مغلوب اور نیکی پرہیز گاری کی فضا غالب آجاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لوگو تمھارے اوپر ایک ایسا عظمت و برکت والا مہینا سایہ فگن ہو رہا ہے جس کی ایک رات ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے اس میں اللہ نے دن میں روزہ تمھارے اوپر فرض کیا ہے اور اس کی راتوں کے قیام کو نفل قرار دیا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں نفل عبادت کرے گا، اسے فرض عبادت کا ثواب ملے گا اور جو فرض عبادت کرے گا اسے ستر فرض ادا کرنے کا ثواب ملے گا۔ لوگو، یہ مہینا صبر کا ہے اور صبر کا اجر جنت ہے۔ یہ مہینا باہمی ہمدردی اور خیر خواہی کا متقاضی ہے۔ اس مہینے میں مومن کے رزق میں برکت دی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس مہینے میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے گا تو وہ اس کے گناہوں کی مغفرت اور اس کی گردن کو دوزخ کی سزا سے بچانے کا ذریعہ بن

جائے گا اوراس کے لیے بھی اتنا ہی اجر ہے جتنا اس روزہ دار کا روزہ رکھنے کا ہے بغیر اس کے اس روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی واقع ہو۔ صحابہ اکرام نے عرض کیا: اگر کسی کی اتنی حیثیت نہ ہو کہ وہ کسی کا روزا افطار کرا سکے تو؟ آپ نے فرمایا: ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی ہی سے افطار کرا سکتے ہو۔''

یہ وہ ماہ مبارک ہے جس کا پہلا عشرہ رحمت، درمیانہ مغفرت اور آخری عشرہ جہنم سے مکمل آزادی بخشنے والا ہے۔ اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ اِس ماہ مبارک کو ہم نے ذخیرہ اندوزی کرتے، کم ناپ تول کرتے، غیبت کرتے اور لوگوں کا حق مارتے گزارنا ہے، اسے لذتوں اور چٹخاروں کا مہینا بنانا ہے یا اللہ کی عبادت اور اپنی اصلاح کرتے، غریبوں کی مدد کرتے اور ان کی غمگساری کرتے ہوئے گزارنا ہے۔

لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے بھوک پیاس کی تکلیف برداشت کر کے غذا اور پانی کی لذت و راحت کی اہمیت جاننا، خدا کی نعمتوں کا احساس کرنا اور بھوکوں پیاسوں کے لیے اپنے اندر ہمدردی پیدا کرنا ہمارے پیشِ نظر نہیں، بلکہ افطار کے موقع پر متنوع قسم کے کھانے اور مشروبات سے لطف اندوز ہونا ملحوظ خاطر ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے خود ساختہ مادی تقاضوں کو کچھ گھنٹے دبائے رکھنے کے بعد انھیں پہلے سے بڑھ کر پورا کرنا ہمارا اصل ہدف ہے۔ گویا ہمارے لیے رمضان کا مہینا تزکیۂ نفس کرنے کے لیے نہیں بلکہ غیبت کرنے، اپنے خادموں اور ملازموں پر زیادتی کرنے، کم تول اور بددیانتی کا مہینا ہے۔ اب ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اس مہینے میں ہمیں نیکیاں کمانی ہیں یا کہ اپنی موجودہ نیکیوں کو بھی ختم کرنا ہے۔

نعیم احمد بلوچ

رمضان المبارک اور ہماری محرومیاں

یہ عام مشاہدہ ہے کہ رمضان المبارک میں مساجد نمازیوں سے بھر جاتی ہیں۔ جمعہ کے اجتماعات میں ہر بستی کی مسجد زبانِ حال سے یہ دہائی دے رہی ہوتی ہے کہ اہل ایمان بہت زیادہ ہیں اور ان کے مقابلے میں اس کا دامن بہت تنگ۔ غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے ٹریفک کے بے پناہ رش، کھانے پینے کی دکانوں میں گاہکوں کا ہجوم اور عین افطاری کے وقت کاروبارِ زندگی کا کم وبیش رک جانا بظاہر اس بات کی علامت ہے کہ روزہ داروں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اس سے محروم رہنے والے بدنصیب بہت کم۔ بیسویں رمضان کے بعد ہر مسجد میں نوجوان، بوڑھے، اور ادھیڑ عمر، غرض ہر عمر کے لوگوں کی خاصی تعداد معتکف نظر آئے گی۔ رمضان المبارک میں عمرے کی سعادت حاصل کرنے والوں کی تعداد بھی چونکا دینے والی ہے۔ یہ حقائق ایک طرف تو اطمینان کا باعث ہیں لیکن دوسری طرف یہ بہت ہی خوفناک سوالات اور انتہائی تلخ حقائق کی طرف اشارہ کرتے نظر آتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب معاشرے کے ہر طبقے میں نمازیوں، روزہ داروں، معتکفین، سخاوت اور عمرہ کرنے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے تو اس کا اثر اجتماعی رویوں میں کیوں نظر نہیں آتا؟ اگر نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی، روزہ خدا خوفی پیدا کرتا، محروموں اور غریبوں کے لیے دل میں جگہ بناتا، اعتکاف و عمرہ اللہ سے محبت، دین سے لگاؤ اور مذہب سے متعلق حمیت و حمایت پیدا کرتے ہیں تو، کم از کم رمضان المبارک ہی میں سہی، جرائم میں کمی کیوں نہیں ہوتی؟ حکمرانوں میں عوام کے لیے ''حقیقی'' دوستی اور معاشرے میں استحکام کے جذبات کو مہمیز کیوں نہیں ملتی؟ ناجائز منافع خوری کے نتیجے میں مہنگائی کا عفریت جگہ جگہ ڈیرے ڈالے کیوں نظر آتا ہے؟ سرکاری دفاتر میں احساس ذمہ داری، ایمانداری اور تن دہی کے بجائے وہی روایتی انداز کی غیر ذمہ داری، رشوت ستانی، کاہلی اور غفلت کی بیماریوں میں کوئی افاقہ کیوں نظر نہیں آتا؟

کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں ہے کہ وہ مہینہ جس میں انسان اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگتا، اپنا محاسبہ کرتا، خدا خوفی کا مزاج پیدا کرتا ہے، اس میں ہمارا رویہ، عوام ہوں یا خواص، مجموعی لحاظ سے بالکل الٹ ہو جاتا

ہے۔حکمرانوں ہی کو لے لیجیے۔ وہ عوام کے ساتھ کی گئی زیادتیوں اوراپنے حلف سے کی گئی غداریوں پر نادم ہونے کے بجائے اس پر پوری منافقت اور ڈھٹائی سے پردے ڈالتے نظر آتے ہیں۔ بڑی بڑی اشتہاری مہموں کے ذریعے سے عوام کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ ہم تمھاری خوشحالی کی خاطر اپنا دن رات ایک کیے ہوئے، ہر وقت ایسی سکیموں اورمنصوبوں کی تلاش میں رہتے ہیں جس سے غریب عوام کے مسائل میں کمی اوراس کے وسائل میں اضافہ ہو۔

اب ذرا تصور کیجیے کہ ہمارے حکمران جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہوں گے تو کیا کہتے ہوں گے؟اگر تواشتہاری مہموں،اخباری بیانات،ٹی وی مذاکرے ''سب اچھاہے'' کی رپورٹ کر رہے ہیں تو وہ پروردگار کائنات کو یہ کہہ رہے ہوں گے کہ جس طرح عوام ہمارے دعووں پرایمان لے آتے ہیں اسی طرح اے اللہ تو بھی مان لے کہ ہم نے مہنگائی کم کردی ہے،اپنی جیب سے روپیہ ڈال کراشیائے صرف کی قیمتوں میں اعتدال پیدا کر دیا ہے،اپنے آرام وسکون کو تج کر کے امن وامان کو برقرار رکھا ہوا ہے، ناجائز منافع خوروں کو لگام دے کر اپنی ذمہ داریوں کا کماحقہ احساس کیا ہے،جن سیاستدانوں کے کرتوتوں پر پردہ ڈال کران کواپنے ساتھ ملایا تھا،انھیں ان کے کیے کی سزا دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ہم نے ذاتی دشمنی اورمخالفت سے بالاتر ہوکر سیاست میں غیر جانب داری اوراصول پسندی کو بنیاد بنا کر جمہوریت کی گاڑی کو دوبارہ سے پٹڑی پر لانے کا اہم ترین فیصلہ کرلیا ہے۔اس لیے اے اللہ! ہماری حکومت کواستحکام بخش! ہم تیری خلقت کے لیے رحمت کا سایہ ہیں،اس لیے اس سایہ عاطفت کو قائم رکھ! ہم امت مسلمہ کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کردینے کا عزم اور جذبہ رکھتے ہیں اس لیے زمانے میں ہماری ساکھ قائم رکھ! وطن عزیز جس کڑے امتحان سے گزر رہا ہے،اس میں ہمیں سرخرو کر!

ذرا انصاف سے بتائیے کہ اگر پروردگارِ کائنات غافل نہیں،حی وقیوم ہے،بے خبر نہیں علیم وخبیر ہے،ظالم و سفاک نہیں عادلِ مطلق اوررحیم ورحمان ہے تو وہ یہ دعائیں کیسے قبول کرے گا؟ حکمرانوں کوان کی نمازوں،روزوں، افطاریوں،سخاوتوں،عمروں،اعتکافوں کے باوجود کیا ملے گا؟ان کے لیے اس رمضان کی برکت کیا ہوئی؟

یہ تو حکمرانوں کا حال ہے،اب ذرا عوام الناس کی عبادتوں اورریاضتوں کا جائزہ لیجیے۔زیادہ تفصیل میں جائے بغیر ایک اہم پہلو ہی پرغور کر لیتے ہیں۔اس مہینے کروڑوں مسلمان نمازِتراویح میں اورانفرادی طور پرقرآن مجید کی تلاوت کا شرف حاصل کرتے ہیں۔اگرقرآن کا طوطے کی طرح بغیر سوچے سمجھے پڑھنا اورسننا باعث ثواب بھی مان لیں تو کتنے فیصد لوگوں کوقرآن کی حکمت، ہدایت اورتذکیر حاصل ہوتی ہے یعنی وہ نعمت جواس کے نزول کا اصل

باعث ہے۔ایسے سلیم الفطرت اور کامن سنس رکھنے والے افراد کیا آٹے میں نمک کے برابر نہیں ہیں جنھوں نے قرآن کی چاہے ایک سورہ ہی پڑھی، لیکن اس کا مطلب جانا، اس سے نصیحت حاصل کی، قرآن کی حکمت و دانش کو اپنے قلب وروح کا حصہ بنایا! اس پہلو سے اگر مساجد میں تلاوت کرنے والوں، تراویح سننے والے نمازیوں، حسن قرات کے مقابلوں کی وجد آفرین محفلوں اور شبینوں کی پر شکوہ تقاریب کا جائزہ لیں تو قرآن زبانِ حال سے یہ دہائی دیتا نظر آتا ہے۔

کس بزم میں مجھ کو بار نہیں، کس عرس میں میری دھوم نہیں
میں پھر بھی اکیلا رہتا ہوں، مجھ سا کوئی مظلوم نہیں!!

رمضان قرآن کے نزول کا مہینہ ہے اور اس مہینے مسلمانوں کی "نظر کرم" قرآن ہی پر رہتی ہے لیکن اس ''نظر کرم'' کی حقیقت کیا اس سے مختلف ہے جس کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہم نے پیش کی ہے؟ سوال یہ ہے، کیا پھر بھی یہ توقع مبنی بر حقیقت ہے کہ قرآن ہماری زندگیوں میں کوئی مثبت تبدیلی لانے کا باعث ہوگا؟

رمضان احتساب نفس کا مہینہ ہے۔ اللہ کے حضور اپنے گناہوں کا اعترف کر کے سچے دل سے معافی مانگنے کا مہینہ ہے اور سچے دل سے کیا مراد ہے؟ یہ کہ جس گناہ کی معافی مانگی جارہی ہو اس کو نہ کرنے کا ذہن میں پختہ عہد ہو۔اب اگر کوئی زبان سے تو یہ کہہ رہا ہو کہ اے اللہ معاف کر دے اور ہاتھ کم تول رہا ہو، دل کسی کے کینے سے بھرا ہو، ذاتی کام پر سرکاری وسائل خرچ ہو رہے ہوں، حق دار کا حق مارا جا رہا ہو، ناجائز منافع خوری ہو رہی ہو تو ایسی توبہ بھلا وہ پروردگار کیسے قبول کرے گا جو صرف زبانوں کے الفاظ ہی نہیں دلوں کے حال اور دماغوں کے فتور بھی جانتا ہے؟ معافی مانگنے والے کتنے ایسے ہیں جنھوں نے انتہائی سچائی سے ان لوگوں کی فہرست بنائی، جن کا حق مارا گیا، جن کو نقصان پہنچایا گیا اور پھر یہ ارادہ اور عزم کیا کہ اس کا جہاں تک ممکن ہو ازالہ کیا جائے گا۔ کتنے ایسے ہیں جنھوں نے اپنی شخصیت کا بے لاگ جائزہ لیتے ہوئے اپنی اخلاقی اور وصفی کمزوریوں کی فہرست بنائی اور پھر اپنے آپ سے عہد کیا کہ آج کے بعد وعدہ خلافی نہیں کریں گے، جھوٹ نہیں بولیں گے، غیبت سے باز رہیں گے، بے ہودگی اور فحش کاموں سے اجتناب کریں گے۔ بدتمیزی، دل دکھانے، اشتعال میں آکر حد سے تجاوز کرنے کی عادت کو سچے دل اور مضبوط ارادے ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ کیا ہم نے ایسی کسی فہرست میں درج کسی خامی اور کسی کوتاہی کو نشان زد کر کے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس خرابی سے تو نجات حاصل ہوئی؟ اور اگر ایسا نہیں تو بتایئے دلوں کے راز جاننے والا، ارادوں کو بھانپ لینے والا علیم الصدور خدا، رحمان ورحیم ہوتے ہوئے بھی ہمارا یہ کہنا کیسے مان لے گا کہ اے اللہ

مجھے معاف کر دے، میں توبہ کرتا ہوں! واضح رہے کہ کسی کا حق اگر مارا گیا، کسی کا دل اگر دکھایا گیا تو یہ گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہو گیا جب تک مظلوم کی دادرسی نہ ہو گئی ہو۔ اس ضمن میں بہائے گئے ہزاروں آنسو، پڑھے گئے لاکھوں نفل، رکھے گئے تمام روزے بے کار ہیں!

ہر رمضان میں اللہ کے وعدے کے مطابق شب قدر بھی آتی ہے۔ شب قدر کی فضیلت کا ذہن میں تصور کیجیے اور پھر ہمارے ہاں کی مسجدوں میں "لاوڈ سپیکر" کلچر کو بھی سامنے رکھیے۔ ہزار مہینے کی عبادت سے بھی افضل اس رات کو جب قدسیوں کے سردار حضرت جبرائل رحمت بن کر ہمارے شہروں میں نزول فرماتے ہوں گے تو مولوی صاحبان جس انداز سے لاؤڈ سپیکروں پر شور وغوغا مچا رہے ہوتے ہیں، کم ازکم اس صورت حال میں یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ واقعی ہماری دعاؤں پر آمین کہتے ہوں گے۔ بلکہ خدشہ ہے کہ وہ ہماری بدنصیبی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوں گے کہ عبادت تو اپنے پروردگار کو چپکے چپکے یاد کرنے کا نام ہے۔ اس رات کے شایانِ شان تو یہ ہے کہ تنہائی میں اللہ کے حضور آنسو بہائے جائیں، معافی مانگی جائے، گڑگڑا کر اپنی کوتاہیوں سے پیچھا چھڑانے کی درخواست کی جائے لیکن یہ فرشتے ایک بہت بڑی اکثریت کو تقریبات کی نوعیت کے جلسے جلوسوں میں مست پاتے ہوں گے۔ یقیناً ایسے خوش نصیب بھی ہوں گے جو اس رات کی برکتوں سے حصہ پاتے ہوں گے لیکن ذرا انصاف سے کام لے کر بتایئے کہ یہ خوش بخت کتنے ہوں گے؟

ہمارے ملک میں اس وقت لاؤڈ سپیکر کے استعمال پر پابندی ہے۔ قانون کے مطابق سوائے اذان اور ناگزیر ضرورت کے سپیکر استعمال نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس پر کتنا ایک عمل ہوتا ہے، یہ ہم سب پر واضح ہے۔ یوں قانون شکنی کے گناہ میں ملوث ہونے والے، گھر بیٹھے ہزاروں، لاکھوں افراد کی انفرادی عبادات میں مخل ہو کر، لاتعداد مریضوں، طالب علموں، بچوں کے آرام وسکون اور ذاتی کاموں میں مصروف لوگوں کی مصروفیت میں خلل اندازی کرنے والے کیا فرشتوں کی دعاؤں کے حق دار بنتے ہوں گے یا ان کی بے زاری کا باعث؟

سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں کے روزہ داروں کی عظیم اکثریت عملی طور محض بھوکا پیاسا رہنے کو روزہ جانتی ہے۔ روزہ رکھ کر عملِ صالح کرنا، اور گناہوں سے بھی محفوظ رہنا ضروری خیال نہیں کرتے۔ ان کے فہم دین کا کمال یہ ہے کہ نہیں جانتے تلاوت قرآن سے ثواب محض ایک اضافی نعمت ہے۔ یعنی اسے سمجھ کر اس پر عمل کرنے کے بعد مزید ایک عنایت ہے جو ہمیں ملتی ہے۔ لیکن اگر قرآن کو سمجھا جائے نہ عمل کیا جائے بلکہ اس کی تعلیم سے برعکس کام کیے جائیں تو کیا پھر بھی ہم ثواب کے حق دار ہوں گے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ رمضان آتا ہے، روزے رکھے جاتے ہیں

،عبادات کی جاتیں ہیں لیکن وہ ہمارے معاشرے کے اجتماعی وجود کا حصہ نہیں بنتیں بلکہ خدشہ ہے کہ یہ ریاضتیں ، یہ عبادتیں، یہ اعتکاف ، یہ عمرے اور یہ خیراتیں ہمیں اس احساس تفاخر میں مبتلا کر دیتی ہیں کہ ہم نے بہت اعمالِ صالح کیے اور یوں یہ احساس ہمارے نفس میں موجود انا کی چربی کو اور بڑھا دیتا ہے، نیکیاں کردار کی طاقت اور شخصیت کی حرارت بننے کے بجائے ہمارے احساس تفاخر کے موٹاپے کا باعث بن جاتی ہیں۔ اس سے ہم مزید سست ہو جاتے ہیں۔ مزید اخلاقی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اپنی پستی اور زوال کو اور گہرا کر دیتے ہیں!

ساجد حمید

افطار کی دعائیں

(۱)

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰه.

پیاس جاتی رہی، رگیں تر ہو گئیں، اور ان شاء اللہ اجر لکھا گیا۔

یہ افطار کے موقع کی دعا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اللہ کی نعمتوں پر شکر کرنے کا ایک خاص اسلوب اختیار کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر کے الفاظ استعمال کرنے کے بجائے اپنی کیفیت بیان کر کے شکر کا اظہار کیا ہے۔ افطار کے وقت جب آدمی پانی پیتا ہے، اور وہ اس کی رگوں کو تر کرتا ہے تو اس وقت آدمی کو ایک فرحت اور تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ آدمی اس احساس اور اس خوشی کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ ہم افطار کی اس کیفیت کا اظہار بالعموم اپنے بہن بھائیوں کے سامنے کرتے ہیں جو اس وقت ہمارے پاس ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اظہار اللہ سے کیا ہے، جس سے اس میں شکر کے معنی پیدا ہو گئے ہیں۔ ہماری مراد یہ ہے کہ جب ہم کسی کی طرف سے تحفہ ملنے پر یہ کہیں کہ اس نے تو میری فلاں فلاں ضرورت کو پورا کر دیا، اور میرے فلاں فلاں کام ہو گئے ہیں تو یہ اصل میں شکر ادا کرنے کا نہایت اعلیٰ طریقہ ہے۔

اپنی یہ کیفیت بیان کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ''اس کا ثواب لکھا گیا'' کے الفاظ نکلے ہیں۔ ان الفاظ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھے جانے کی بات کے لیے درحقیقت روزے کا ثواب طلب کیا ہے۔ اس طرح ان الفاظ سے وہ نیت بھی بیان ہو گئی ہے جس کے لیے روزہ رکھا گیا تھا۔ جب نیت صالح ہو تو اللہ کی مشیت سے ثواب کا لکھا جانا یقینی ہے۔

(۲)

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ.

اے اللہ، میں نے تیرے لیے (یہ) روزہ رکھا، اور (اب) تیرے ہی رزق سے کھولا ہے۔

پہلی دعا صرف ان روزوں میں مانگی جا سکتی ہے، جن میں آدمی کو پیاس کی شدت سے سابقہ پیش آیا ہو۔ یہ دعا بھی پہلی

دعا کا مضمون لیے ہوئے ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ اس میں اسلوب بیانیہ ہے۔ یعنی اُس میں اپنی کیفیت بیان کر کے شکر ادا کیا تھا، جبکہ اِس میں سادہ الفاظ میں یہ بات کہہ دی ہے کہ میں نے تیرے رزق پر روزہ کھولا۔ یہ نعمتوں کو پا کر ان کا اقرار ہے۔

اس دعا میں شکر اور نیت بیان کرنے میں پہلی دعا کے الٹ ترتیب اختیار کی گئی ہے چنانچہ پہلے نیت بیان کی گئی ہے: میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور بعد میں یہ کہہ کر: میں نے تیرے دیے ہوئے رزق سے روزہ کھولا، اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کیا گیا ہے۔

اس تبدیلی کی وجہ سے یہ دعا ہر طرح کے موسم کے لیے موزوں ہوگئی ہے۔

(۳)

أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ وَ أَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ وَ تَنَزَّلَتْ عَلَيْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ.

تمھارے پاس روزہ داروں نے روزہ کھولا، تمھارا کھانا خدا کے وفاداروں نے کھایا، سو تمھارے اوپر اللہ کے فرشتے (سکینت اور رحمت لے کر) اترے۔

اس دعا کا مضمون یہ بتا رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا اپنے گھر یا کسی کے گھر اِس موقع پر پڑھتے، جب افطار کی کسی دعوت میں شرکت فرماتے۔ اس میں میزبان کے لیے برکت اور رحمت کی دعا ہے۔

اس دعا کے پہلے حصے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں اور روزہ داروں نے تمھارے گھر روزہ افطار کیا اور کھانا کھایا، اس مبارک عمل کے پسندیدہ اور باعثِ برکت ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی تم نے اللہ کے بندوں کا روزہ کھلوا کر اپنے لیے برکتوں کے نزول کا موقع فراہم کیا ہے۔

دوسرے حصہ میں آپ نے اس برکت کو بیان کیا ہے جو ایسی مجالس میں فرشتوں کے نزول کی صورت میں اترتی ہے۔ قرآنِ مجید اور احادیث کے اشارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے اللہ کی رحمت (مدد و عنایت) اور سکینت لے کر اترتے ہیں۔

رحمت سے مراد میزبان کے رزق میں اضافہ اور برکت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عام طریقہ یہ تھا کہ جب کسی کے گھر کھانے کی دعوت پر تشریف لے جاتے تو میزبان کے لیے دعا کرتے کہ اے اللہ، اس نے ہمیں کھلایا ہے، تو اسے کھلا۔ اس نے ہمیں پلایا ہے، تو اس کو پلا۔

سکینت سے مراد دعوت کے موقع پر میزبان کے دل کو اطمینان کی نعمت سے نوازتا ہے۔ یہ نعمت بالعموم نیکی کرنے پر حاصل

ہوتی اور نیکی کرنے کے دوران میں مشکلات کے وقت ثابت قدمی کا باعث ہوتی ہے۔ چنانچہ اس دعا کے دوسرے حصے میں آپ نے میزبان کے لیے اس رحمت وسکینت کے اترنے کی بشارت دی ہے، جو روزہ کھلوانے والے کو حاصل ہو گی۔

سحری کے وقت کی دعا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سحری کے حوالے سے کوئی دعا منقول نہیں ہے۔ اس لیے اس موقع پر اپنی طرف سے وضع کردہ دعائیں پڑھنے سے بہتر ہے کہ وہ دعا پڑھ لی جائے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھانے کے بعد مانگا کرتے تھے۔ ہم یہاں صرف ایک دعا نقل کریں گے۔ باقی دعائیں کھانا کھانے کے اذکار کے باب میں آئیں گی۔ دعا یہ ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی أَطْعَمَنَا وَ وَسَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ.

شکر اللہ کا ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا، اور ہمیں مسلمان بنایا۔

اس دعا میں ایسی کوئی بات نہیں جو محتاجِ وضاحت ہو۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام نعمتیں جو انسان کو ملی ہیں وہ انسان کے کسی استحقاق پر نہیں ملیں، یہ محض اللہ کی عنایت سے ملی ہیں۔ ان نعمتوں میں سب سے بڑھ کر ایمان واسلام کی نعمت ہے۔ چنانچہ ان نعمتوں کا فطری تقاضا ہے کہ ان کے عطا ہونے پر شکر گزاری کا رویہ اختیار کیا جائے۔ لیکن آدمی کو نعمت پانے کا احساس اور شکر ادا کرنے کی توفیق عجز و نیاز کے بجائے کبھی کبھی فخر اور کبر و نخوت کی طرف لے جاتی ہے۔ آخری جملہ اگر آدمی سوچ سمجھ کر بولے تو یقیناً اس کے لیے کبر و ناز سے بچانے کا باعث بنے گا۔ اس لیے کہ ایمان وشکر کی توفیق بھی خدا کی عنایت ہے۔

نیا چاند دیکھنے کی دعا

اَللّٰهُ اَکْبَرُ. اَلْحَمْدُلِلّٰهِ. لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ. اَللّٰهُمَّ إِنِّی أَسْأَلُكَ خَیْرَ هٰذَا الشَّهْرِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ الْقَدَرِ وَ مِنْ سُوْءِ الْحَشْرِ.

اللہ بہت بڑا ہے۔ (اس چاند سے جسے بعض لوگ نحوست و برکت کا باعث سمجھتے ہیں۔ اس لیے) شکر کا حق دار بھی اللہ ہے۔ ساری قوت وقدرت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اے اللہ میں اس (نئے چڑھنے والے)

مہینے میں تجھ سے خیر کا طالب ہوں۔اور بری تقدیر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔اوراس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن میں برے طریقے سے تیرے حضور جمع کیا جاؤں۔

ص

اس دعا میں الفاظ تو مشکل نہیں البتہ، یہ بات وضاحت کی متقاضی ہے کہ ان کا چاند دیکھنے کے ساتھ منطقی ربط کیا ہے۔'اللہ اکبر' سے اس دعا کا آغاز کیا گیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب چاند ستاروں کی گردش سے نیک و بد کا شگون لیتے تھے۔چاند چونکہ مہینوں کی گنتی اور مواقیت کا ذریعہ ہے اور تقدیر اسی وقت کے پردوں میں لپٹی ہوئی آتی ہے۔اس لیے چاند سے اس طرح کی آفتوں اور بدنصیبیوں کی نسبت کر دی جاتی تھی۔بعض دنوں اور مہینوں کو منحوس قرار دے دیا جاتا۔اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کو دیکھتے ہی اللہ کی بڑائی بیان کی ہے تاکہ چاند کے بارے میں اس غلط تصور کی تغلیط کر کے دعا مانگی جائے۔یعنی دنیا میں رنج و محن اور خیر و برکت کے اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں ان میں چاند کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

'اللہ اکبر' کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 'الحمد اللّٰہ' کے الفاظ سے شکر ادا کیا ہے۔شکر اگرچہ تنزیہ کا مفہوم اپنے اندر نہیں رکھتا مگر جب وہ ایسے موقع پر آئے جیسا یہاں ہے تو اس سے مراد تنزیہ بھی ہو جاتی ہے۔مراد یہ ہے کہ چونکہ چاند کا خیر و شر کے لانے میں کوئی حصہ نہیں ہے، اس لیے شکر بھی اس کا روا نہیں ہے۔وہ بھی اللہ ہی کا ہونا چاہیے۔اس لیے کہ وہی شکر کا سزا وار ہے۔ہمارا خیر اور ہمارا شر، سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔

اس کے بعد آپ نے اسی بات کو مزید واضح کیا ہے کہ یہ چاند ستارے کچھ اختیار و قوت نہیں رکھتے۔ساری قوت و قدرت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔اس چاند کے طلوع سے جو مہینا شروع ہوگا، اس میں ہمارے ساتھ اچھا برا، جو کچھ ہوگا، وہ رب العزت کی قدرت و قوت سے ہوگا۔'لا حول ولا قوة الا باللّٰہ' سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مہینے میں پیش آمدہ خطرات سے پناہ مانگی ہے کہ 'اللھم انی اسالك خیر ھذا الشھر و اعوذبك من شر القدر و من سوء الحشر' اے اللہ میں اس (نئے چڑھنے والے) مہینے میں تجھ سے خیر کا طالب ہوں۔اور بری تقدیر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔اور اس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن میں برے طریقے سے تیرے حضور میں جمع کیا جاؤں گا۔

تہجد کے وقت اٹھنے کی دعا

رمضان کے مہینے میں وہ لوگ بھی تہجد کا اہتمام کر لیتے ہیں جو عام دنوں میں اس سعادت سے محروم رہتے ہیں۔اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے اذکار کا تذکرہ بھی ہو جائے تاکہ اس مبارک مہینے میں لوگ زیادہ سے

زیادہ اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کر سکیں۔

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ. الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ. رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ کَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ. رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَ عَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ.

فَاسْتَجَابَ لَھُمْ رَبُّھُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الثَّوَابِ.

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ. مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِھَادُ. لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ.

وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰہِ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ.

آسمانوں اور زمین کے بنائے جانے اور دن اور رات کے آنے اور جانے میں اہلِ عقل کے لیے (حق کو پانے کے لیے) نشانیاں ہیں، ان کے لیے جو اٹھتے، بیٹھتے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے خدا کو یاد کرتے، آسمانوں اور زمین کی خلقت پر غور کرتے ہیں، (جس کے نتیجے میں ان کی دعا یہ ہوتی ہے کہ) اے ہمارے پروردگار، تو نے یہ کارخانہ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تو اس سے پاک ہے کہ کوئی عبث کام کرے۔ سو تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا، اے ہمارے رب جسے تو نے دوزخ میں ڈال دیا، اسے تو نے بلاشبہ رسوا کر ڈالا۔ اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ اے ہمارے رب ہم نے ایک پکارنے والے کو ایمان کی دعوت دیتے سنا کہ لوگو، اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ ہماری

برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں موت اپنے وفادار بندوں کے ساتھ دے۔ اے ہمارے رب جس کا تو ہمارے ساتھ اپنے رسولوں کے ذریعے سے وعدہ فرمایا ہے وہ ہمیں ضرور عطا فرمانا۔ (اس سے محروم رکھ کر) ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔

تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے سے ہو۔ سو جنھوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے اور ہماری راہ میں ستائے گئے، لڑے اور مارے گئے ہیں، ان سے ان کے گناہوں کو دور کر دوں گا۔ اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ اللہ کے ہاں سے (ان کے عملوں کا) بدلہ ہوگا اور بہترین بدلہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

اور ملک کے اندر کفار کی یہ سرگرمیاں تمھیں کسی مغالطے میں نہ ڈالیں۔ یہ چند دن کی متاعِ حیات ہے، پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے۔ البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، ان کے لیے ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کے لیے پہلی میزبانی ہوگی۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس اس کے وفادار بندوں کے لیے ہے وہ کہیں بہتر ہے۔

اہلِ کتاب میں ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر اتارا گیا اور اس پر بھی جو ان پر اتارا گیا۔ اللہ سے ڈرتے ہوئے وہ اللہ کی آیتوں کا حقیر قیمت پر سودا نہیں کرتے۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے۔ بے شک اللہ جلد احسان چکانے والا ہے۔

اے ایمان والو، صبر اور مصابرت سے کام لو۔ مقابلے کے لیے تیار رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب رہو۔

یہ سورۂ آلِ عمران کی آخری دس آیات ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے دعا کی صورت میں امتِ مسلمہ کو بعض تعلیمات دی ہیں۔ ایک لوگ وہ ہوتے ہیں جو ساری زندگی لاابالی پن سے بسر کر جاتے ہیں، جنھیں اس کی توفیق بھی حاصل نہیں ہوتی کہ اپنے اوپر آنے والے مصائب ہی پر متنبہ ہو جائیں اور خدا کی دنیا کی حقیقت کو سمجھ کر اس کے مطلوبہ رویے کو اختیار کریں۔ چنانچہ نہایت ایمان افروز کلمات سے اپنے اس عمل کا اظہار وہ خدا کے سامنے کرتے ہیں کہ: 'ربنا سمعنا منادیا ینادی

لـلايـمـا ن کے برعکس کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ ان پر مصائب آئیں یا نہ آئیں، وہ اس دنیا کی حقیقتوں پرغور کرتے رہتے اور اپنی زندگی کا لائحۂ عمل مرتب کرتے رہتے ہیں۔ انھیں قرآنِ مجید نے 'اولی الالباب' (عقل مند) کہا ہے۔

پھر ان عقل والوں کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ ان کے دل بیدار ہیں، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، اس کائنات میں ہونے والے تصرفات پرغور کرنے سے وہ اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ یہ دنیا عبث و باطل نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے کوئی عظیم مقصد اور اس کے بعد یقیناً جزا و سزا ہے۔ چنانچہ وہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اس زندگی کے بعد جس جزا و سزا سے ہمیں دوچار ہونا ہے، اس میں اپنے عذاب سے ہمیں بچا۔ اس لیے کہ جسے تو نے اپنے عذاب میں مبتلا کیا تو وہ رسوا ہوا۔

اس غور و خوض کا لازمی نتیجہ ہے کہ آدمی اپنے ماحول میں اٹھنے والی ہر دعوت پرغور کرے اور اگر وہ حق ہو تو اسے مانے اور اگر وہ ناحق ہو تو اس کا انکار کرے۔ چنانچہ اسی غور و خوض کے بعد جس طرح وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ 'ربنا ما خلقت هذا باطلا' اس طرح انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کو بھی اسی غور و خوض کے باوصف ضروری خیال کیا۔ چنانچہ وہ اس رسول پر ایمان لائے۔ اس لیے کہ وہ اسی رب پر ایمان کی دعوت دے رہا تھا جو کائنات پرغور سے دریافت ہوتی ہے: ان آمنو ربکم فامنا ': 'اے ہمارے رب ہم نے ایک پکارنے والے کو ایمان کی دعوت دیتے سنا کہ لوگو، اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لائے۔''

اس اعلان کے بعد وہ اپنے رب سے دعا گو ہوتے ہیں کہ: ''اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے۔ اور ہمیں موت اپنے وفادار بندوں کے ساتھ دے۔ اے ہمارے رب جو کچھ تو نے ہمارے ساتھ اپنے رسولوں کے ذریعے سے وعدہ فرمایا ہے، وہ ہمیں ضرور عطا فرمانا۔ (اس سے محروم رکھ کر) ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ ہمیں یقین ہے کہ تو اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرے گا۔''

یہ اس ایمان سے پھوٹنے والی دعا ہے، جس ایمان کی منزل وہ غور و خوض اور دعوتِ رسول کے بعد طے کر آئے تھے اور انھوں نے ہجرت و جہاد میں ساری دنیا کو چھوڑ کر رسول کا ساتھ دیا۔ ایسے موقع پر کی جانے والی دعائیں رد نہیں ہوتیں، یہ فوراً قبول ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی اللہ کی طرف سے بلا تاخیر دعا کی مقبولیت کی نوید سنائی جاتی ہے کہ: ''ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے سے ہو۔ سو جنھوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے اور ہماری راہ میں ستائے گئے، لڑے اور مارے گئے ہیں، ان سے ان کے گناہوں کو دور کر دوں گا۔ اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ اللہ کے ہاں سے (ان کے عملوں کا) بدلہ ہوگا اور بہترین بدلہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''

آگے دعا کا حصہ نہایت اہم ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ کفار کی ملک کے اندر چلت پھرت اور شور وغوغا سے پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس لیے یہ سب اللہ کے مہلت دینے کے اصول کا نتیجہ ہے۔ اور اس اصول کے مطابق یہ چلت پھرت متاعِ قلیل ہے۔ اس کے بعد انھیں دوزخ کا یقیناً سامنا کرنا ہوگا۔

اس حصے نے اس دعا کو داعیانِ حق کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تہجد کا حکم ہوا تو وہ اس لیے ہوا تھا کہ کفار کے پریشان کن غوغا کے بعد آپ کے اس نماز کے ذریعے سے اطمینانِ قلب حاصل ہو اور آپ حق پر ثابت قدم رہیں اور آپ کی دعوت کا پیغام، آپ اور آپ کے سننے والوں کے لیے زیادہ سے زیادہ محکم ہو۔ چنانچہ دعا کا یہ حصہ آپ کی اسی داعیانہ پریشانیوں میں حوصلہ افزائی اور تسلی کا باعث تھا، چونکہ یہ آیات تہجد کے مقصد سے مطابقت رکھتی تھیں اس لیے آپ نے ان کو اپنی اس وقت کی دعا کا حصہ بنالیا تھا۔

اس کے بعد آپ کی مزید تسلی کے لیے اہلِ کتاب کے اصحابِ خشیت کے بارے میں بتایا کہ یہ دنیا کی خاطر آیاتِ الٰہی کا سودا نہیں کریں گے اس لیے یہ ایمان لائیں گے۔ اس میں داعیانِ حق کے لیے یہ تسلی ہے کہ ایمان لانے کے لیے جس جوہرِ خاص کی ضرورت ہے وہ اللہ کی خشیت ہے۔ اس لیے جن کے دل میں یہ متاعِ بے بہا موجود ہے، وہ ضرور ایمان لے آئیں گے۔ اس لیے تم ہٹ دھرموں کی ہٹ دھرمی سے بے نیاز ہو کر دعوتِ حق دیتے رہو۔ ان اہلِ خشیت کا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہے۔

آخر میں امتِ مسلمہ کے لیے تعلیم ہے کہ اس دنیا میں امت کی سطح پر کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ تم اپنے اندر صبر و استقامت پیدا کرو اور اجتماعی اور انفرادی معاملات میں اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ فلاح پاؤ۔

تہجد کے وقت، جو کہ داعیانِ حق کے لیے تسلی و تازگی ایمان کی نماز ہے، اس سے پہلے ان آیات کو پڑھنے سے مقصود ایک تو یہی تسلی ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا اور دوسرے کچھ تعلیمات کی یاددہانی ہے جن میں نمایاں ترین چیز یہ ہے کہ ایمان اہلِ بینش کے غور وخوض کا حاصل ہے، نہ کہ معجزوں اور کرامتوں کا نتیجہ۔

دوسری تعلیم یہ ہے کہ ایمان کے بعد جس چیز کا شعور سب سے پہلے آتا ہے وہ گناہ اور اس کی معافی کا شعور ہے۔ اس لیے ایمان، زبان پر یہ دعاے مغفرت جاری کرنے کا باعث بنتا ہے۔

تیسرے یہ کہ کفار کی خوش حالیاں اہلِ ایمان کے لیے پریشانیوں کا باعث نہ ہوں۔ یہ اللہ کا قانونِ امہال ہے۔

چوتھے یہ کہ امت کی کامیابی صبر، مصابرت اور تقویٰ کی صفات کے بغیر ممکن نہیں ہے۔